توانا بود هر که دانا بود   ز دانش دلِ پیر برنا بود
(فردوسی)

12.11.97

دانش

شمارہ ۲

جولائی ۱۹۷۱ء

ادارہ:- ڈاکٹر شمس الدین احمد صدر شعبہ
عبدالرحمٰن راہی لیکچرار
ڈاکٹر کاشی ناتھ پنڈت لیکچرار

شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی سرینگر

ترتیب مضامین

حصہ اُردو

بخش فارسی :

پیش گفتار

شعبۂ فارسی کے کارپردازوں کو یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ "دانش" کا یہ دوسرا شمارہ نہ صرف مطلوبہ وقت پر قارئین تک پہنچایا جا رہا ہے، بلکہ گذشتہ شمارہ میں جن اضافات کا وعدہ کیا گیا تھا اسے بھی پورا کیا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم رسالہ کی پیش رفت کو اسی اضافہ تک ہی محدود کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری مسلسل کوشش یہ ہوگی کہ رسالہ کے مضامین میں زیادہ سے زیادہ تنوع کے علاوہ اس کی کیفیت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہے۔

زیر نظر شمارہ میں فارسی کے لئے حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ ہم اس میں جدید فارسی ادب کو مناسب جگہ دے سکیں۔ اس کی چند وجوہات ہیں اول یہ کہ ہم گذشتہ دو صدیوں تک ہندوستان پر غیر ملکی تسلط کی وجہ سے ایران کی ثقافتی پیش رفت سے نا آشنا رہے ہیں اب جبکہ ہم آزاد ہو کر ملک کو ترقی کی راہ پر لے جا رہے ہیں، لازم ہے کہ اس نقصان کی تلافی کی جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ پچاس اور بخصوص پچیس برس سے اس طرف ایرانی ادب اور فارسی زبان میں ہنگامہ خیز تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ فارسی ادب سینکڑوں برسوں کی روایات کی زنجیروں کو توڑ کر ایک نئی فضا میں پل رہا ہے اب فارسی زبان اور ادب سے وابستگی رکھنے والے ہر ادیب، نقاد اور دانشمند کو اس ادب کے شاندار اور روشن مستقبل سے اُمیدیں وابستہ ہو گئی ہیں۔ فنی تسہیلات کی بنا پر اب یہ بات مضحکہ سی لگتی ہے کہ کوئی بھی ادبی شاہکار چاہے وہ ماضی سے تعلق رکھتا ہو چاہے حال یا مستقبل سے گمنامی میں پڑ کر اہل ذوق کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہے۔

ادھر ہندوستان کی آزادی کے بعد ہمارے اور ایران کے درمیان ثقافتی

روابط میں نشاط ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ ہم نے دو صدیوں کے جمود کو توڑنا شروع کیا۔ اس میں وقت تو لگ جائے گا لیکن حسن خوش اسلوبی اور درست روی سے دونوں ملک انسان دوستی اور مفاہمت کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں، وہ بذات خود ہمارے لئے انتہائی طور حوصلہ افزا ہے اسلئے ظاہر ہے کہ فارسی ادب اور ایرانی تہذیب و تمدن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جدید ایران کو اس کے جدید ادب کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ رسالہ "دانش" ایسے ہی موقعوں کو فراہم کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اہل علم حضرات سے بھی توقع ہے کہ وہ اپنے علمی اور ثقافتی ذوق کی نشو و نما کیلئے تجسس و تفحص کرتے رہیں گے۔ اور اس طرح ہمیں فارسی ادب کی خدمت کرنے کا موقع دیتے رہیں گے۔

ہم نے اس رسالہ کے فارسی حصہ میں کشمیر کے لوک ادب کو بھی کم و بیش جگہ دی ہے۔ ہم یک طرفہ روابط کے قائل نہیں یعنی ہم صرف اتنا ہی نہیں چاہتے کہ ہمارے رسالہ میں جس کے شمارہ جات ایران اور افغانستان بھی پہنچتے ہیں، صرف ایران ہی کی دین کا ذکر ہو اور ہمارے اپنے ثقافتی خزانے کی وہاں کے لوگوں کو خبر تک نہ ہو۔ ہم یہ وثوق سے کہنا چاہتے ہیں کہ ایران اور ان تمام ممالک کے لوگ جہاں فارسی بولی جاتی ہے ہماری اور ہمارے تمدن کے زیادہ سے زیادہ پہلوؤں کو جاننا اور ان کے درمیان مماثلت پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے مقامی قارئین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر وقتاً فوقتاً اپنے مقالات ہمیں ارسال کرتے رہیں۔ یہ صرف ہمارا ہی سماجی اور تاریخی فرض نہیں بلکہ ان کا بھی ہے کہ وہ اپنے آباو اجداد کی اس گراں بہا میراث کی نگہبانی کریں اور اپنے طور جہاں تک ہو سکے اس میں اضافہ کریں۔

کئی بزرگوں اور دوستوں نے دانش کے پہلے شمارہ کی بڑی تعریف کی ہے اور ہمیں حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے ہیں۔ ہم ان کے تہ دل سے شکر گذار ہیں ہم ان کی ناقدانہ رائے کی قدر کرتے ہیں اور ان کی طرف سے دئے گئے مشوروں کو بڑا سودمند سمجھتے ہیں چنانچہ زیر نظر شمارہ کی ترتیب و تہذیب میں ان کے مشوروں کا بڑا ہاتھ ہے۔

اس شمارہ کے لئے ہمارے پاس ادب دوستوں نے مقالات بھیجے۔ لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ایک ہی شمارہ میں ان کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ ہم معذرت کے ساتھ ایسے ...... لوگوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ان کے مضامین دانش کے آئندہ شمارہ میں ضرور اپنا مقام حاصل کریں گے۔

(ادارہ)

میرا وطن

شاہنشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کی کتاب "ماموریت برای وطنم"
کا سلسلہ وار ترجمہ ۔ مترجم :- ڈاکٹر کے این پنڈت

میرے باپ نے ایران میں کیا کیا تبدیلیاں لائیں!

جب کبھی میں اپنے ملک کی قدیم اور گراں قدر تاریخ پر ایک نظر ڈالتا ہوں تو چند خاص باتیں میری توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایرانی ہمیشہ ذاتی آزادی کے لئے مشہور رہے ہیں۔ میں اُن لوگوں سے کوئی اختلاف نہیں رکھتا جو تہران میں ٹیکسی چلانے والوں کی بے راہ روی کو ذاتی آزادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (جس دن ٹیکسی ڈرائیوروں نے ہڑتال کی۔ اس دن تہران کا شہر گویا عظیم خاموشی اور سکوت میں ڈوب گیا تھا۔) اس میں کوئی شک نہیں کہ ہزاروں برس کی طویل مدت میں ذاتی آزادی کی یہ حس بہت سارے پہلوؤں میں بڑی گہرائی تک جاکر رس بس گئی ہے۔ مختلف تاریخی ہنگاموں، اجنبیوں کے عارضی غلبہ اور ایسے ہی دیگر کئی حالات میں جو اس ملک میں رونما ہوئے، کسی بھی وقت یہ باتیں ایک عام ایرانی کو اپنی خواہشات اور اپنے ارادوں کے ظاہر کرنے میں مانع نہ ہوسکیں۔ اس لحاظ سے ہم فرانسیسیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، چنانچہ ان کے ٹیکسی ڈرائیور ہمارے ہاں کے ڈرائیوروں کے مقابلہ میں ذاتی آزادی میں کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ ایران کو "ایشیا کا فرانس" کا لقب دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم امریکنوں سے بھی مشابہت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے ایرانی اور امریکی باہم سازگار بھی ہوتے ہیں چنانچہ ہزاروں ایرانی طالب علم جو ہر سال امریکہ کا سفر کرتے ہیں وہ بھی بغیر کسی استثنا کے اس ملک میں تحصیل علم کے دوران خوش و خرم رہتے ہیں۔ جو امریکی میرے ملک میں کام کرتے ہیں۔

بڑی آزادی اور سہولت کے ساتھ میرے وطن کے لوگوں کی اجتماعی زندگی میں شریک ہو کر دن گذارتے ہیں۔

ایرانی لوگ مہمان نوازی کے لئے مشہور ہیں۔ جو شخص ہماری قوم کی باطن کی تحقیق کرنا چاہے وہ دُنیا کے بڑے بڑے کتاب خانوں میں موجود بیرونی سیاحوں کے سفر ناموں میں ایران سے متعلق باتوں کو پڑھ سکتا ہے۔ آج ہم بہت خوش ہیں کہ یہ قدیم خوبی زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ قوی ہو گئی ہے اور ہمارے گاؤں اور قصبوں میں رہنے والے لوگوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

ایران اور امریکہ کے درمیان مشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدیوں سے ایران نسلی اور طبقاتی امتیاز سے آزاد رہا ہے جبکہ بعض ملکوں میں ایسا امتیاز رائج تھا۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ملک میں کچھ لوگ زیادہ امتیازی سہولتوں کو حاصل کر چکے تھے جو دوسروں کو میسر نہ تھیں اور ان دو گروہوں کے درمیان بڑا فاصلہ بھی تھا، لیکن جس طرح کہ امریکہ میں دیکھا جائے گا ویسے ہی ایران میں بھی سماج کے نچلے طبقہ سے اپنی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ایک آدمی اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے چنانچہ میرے باپ کی مثال اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہے علاوہ ازیں ایران کی تاریخ کے اوراق ایسی بے شمار مثالوں سے بھرے پڑے ہیں کہ کئی بادشاہ، سردار، وزیر، عالم، شاعر اور بڑے فاضل لوگ سماج کے پست طبقہ سے اُٹھ کر شہرت کی اعلیٰ منزل تک پہنچ گئے۔

ہم ہرگز نسلی یا مذہبی علیحدگی یا افراد میں پوست کے رنگ کی بنا پر کسی فرق میں اعتقاد نہیں رکھتے اور اس کے برعکس مختلف مذہبوں اور نسلوں کے ساتھ رابط اور دوستی برقرار رکھنے کے قایل رہے ہیں۔ ہم نے اپنے ملک یعنی ایران کو ان لوگوں کے لئے بھی پناہ کی جگہ بنائی جنھوں نے دوسری قوموں کے ہاتھوں ستم جھیلے۔ چنانچہ اسی عادت کی پیروی کرتے ہوئے کوروش کبیر نے ۵۹۷ میں بابل کی فتح کے بعد اُن یہودیوں کو آزادی دلائی جنہیں بخت النصر نے یوروشلم سے قیدی بنا کر لایا تھا۔ انہیں اجازت دی کہ اپنی مقدس چیزیں لیکر فلسطین کو واپس جائیں اور اپنے

عبادت خانوں کو پھر سے آباد کریں۔ چنانچہ تورات مقدس میں درج ہے کہ ان قیدیوں نے کوروش کبیر کے خزانے سے حاصل کئے گئے عطایات سے اپنے ویران عبادت خانوں کو نئے سرے سے آباد کیا۔

ایران کے شاہنشاہ یزدگرد اول نے ۴۰۹ میلادی میں ایک فرمان صادر کیا جس کی رو سے مسیحی لوگ شاہنشاہ ایران کی قلمرو میں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی رسومات کو انجام دے سکتے تھے بعد کے زمانے میں جب رومی ارمنستان میں داخل ہوئے تو ہمارا ملک ارمنی پناہ گزینوں کی پناہ گاہ بن گیا۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہزاروں روسی مسیحی، جنہوں نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے دوران بالشویکی وحشت گری سے خوف زدہ ہو کر اپنے مادر وطن کو ترک کیا، ایران آئے اور ہمارے لوگوں نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

ممکن ہے ماضی میں کسی وقت کچھ غیر ذمہ دار لوگوں کے تعصب کے نتیجہ میں، مذہبی اقلیت، کے کچھ لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو لیکن مجموعی طور میرا خیال یہ ہے اور مغربی مورخین بھی مجھ سے اتفاق کرتے ہیں کہ نسلی اور مذہبی اقلیت کے فرقہ کے ساتھ نرم اور ہمدردانہ سلوک کرنے میں ہم بہت سے مغربی ملکوں سے برتر رہے ہیں۔ میری نظر میں مختلف مذہبوں اور ملتوں کے ساتھ ہمارے اس دوستانہ اور ہمدردانہ رویہ نے ہماری تہذیب اور تمدن کو مضبوط بنایا ہے۔

قبلاً بتایا گیا کہ ایران صدیوں سے شمشیر زنی اور سلحشوری کے لئے مشہور رہا ہے لیکن تہذیب اور تمدن کے پھیلانے میں جو خصوصیت ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ ہماری سلحشوری سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ہم نے تلوار سے غالب آنے والی ملتوں کو اپنا مغلوب بنا دیا۔ یعنی یہ کہ یا تو انہیں متمدن بنا دیا ورنہ انہیں اپنے تمدن کے زیر اثر لایا۔ دوسرے الفاظ میں اگر کسی وقت ہم نے فوجی لحاظ سے شکست کھائی لیکن تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے فتح مندی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ہے۔

علاوہ ازیں جیسے کہ قبلاً بتایا گیا ہمارا ملک صدیوں سے زندگی کے مختلف شعبوں یعنی نظم و نسق، مملکت داری، فوجی تشکیلات تجارت اور اقتصادیات، علوم و

ادبیات، صنعت و حرفت اور فن معماری وغیرہ میں باقی ملتوں کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔ ہمارے
کچھ ایسے عظیم شاہنشاہ گذرے ہیں جو ایک طرف تو بڑی وسیع امپراطوری پر حکومت کرتے
تھے اور دوسری طرف علم و ہنر اور صنعت کاری کے بہترین مربی اور شوقین رہے ہیں۔

البتہ یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ اس رہبری کی بنیاد ہمارے مذہبی میلان
طبیعت اور ہماری اخلاقی و معنوی قوت پر مبنی رہی ہے۔ جیسے کہ پہلی فصل میں بتایا گیا۔

جس وقت اسلام سے قبل دین زردوشتی کے ایران کے پیغمبر زرتشت نے روح کی جاویدانی
اور نیکی اور بدی کے درمیان دائمی کشمکش کی باتیں کہیں، اس نے دین مسیحیت کے بعض
اصولوں کی تعلیم دی اور اپنے پیروکاروں کو تین مقدس بنیادی اصولوں یعنی پندار نیک،
گفتار نیک و کردار نیک پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ داریوش کبیر نے ہمیشہ سچائی کی اہمیت
اور جھوٹ کی مذمت پر زور دیا اور ۲۱ اقوام پر نہ مٹنے والی باتیں کہی تھیں "میں انصاف
کو پسند کرتا ہوں۔ گناہ سے نفرت کرتا ہوں اور سوسائٹی کے اوپر کے طبقوں سے نیچے کے
طبقوں پر کئے جانے والے ظلم پر خوش نہیں ہوں۔"

ساسانی خاندان کے بانی اردشیر اول کا ذکر گذشتہ فصل میں آیا۔ وہ کہتا ہے "فوج
کے بغیر قوت پیدا نہیں ہوتی۔ روپیہ کے بغیر فوج آراستہ نہیں ہو سکتی، زمینداری کے بغیر
روپیہ حاصل نہیں ہو سکتا اور انصاف کے بغیر زمینداری کا رواج عام نہیں ہو سکتا۔"

ساسانی خاندان کا عظیم بادشاہ نوشیروان اگرچہ بعض اوقات سخت گیر تھا لیکن
عدل و انصاف میں اُسے تاریخ میں "عادل" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے تو یہ داستان
سُنی ہی ہوگی کہ نوشیروان نے اپنے محل کے باہر ایک زنجیر لٹکانے کا حکم دیا تھا تاکہ مظلوم
اور دادخواہ اپنی دادرسی کے لئے اس کو کھینچ لیں۔ یہ بھی سنا ہوگا کہ ایک بار ایک چوپایہ نے
زنجیر کو حرکت میں لایا اور گھنٹے بجنے لگی اور اس کے مالک کو سزا دی گئی کیونکہ چوپایہ کو بھوکا
رکھا گیا تھا۔ یہ شاہنشاہ مسیحیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا اور اس نے ایک
مدت تک یونان کے فلسفہ اشراق کے بڑے فیلسوفوں کو اپنے دربار میں رکھا جبکہ روم کے
امپراطور نے ان پر سختی کی۔ ان فیلسوفوں کو تب اپنے دربار سے جانے کی اجازت دی
جبکہ روم کے امپراطور نے یہ وعدہ کیا کہ اگر یہ لوگ اپنے وطن کو واپس جائیں تو انہیں کوئی
تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے میری نظر میں یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ ہم ایرانیوں نے وہ نیک اور مناسب خصلتیں پہلے ہی اپنے اندر پیدا کی تھیں جن کی ضرورت کا آج کی متمدن دنیا شدت سے احساس کر رہی ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہا جانا چاہیئے کہ میرے باپ کے دورہ سلطنت سے پہلے ہمارے وطن نے ایک زمانہ پریشانی اور سختی میں بسر کیا اور مملکت داری اور علم و ادب و ہنر کی رہبری میں وہ مقام جو صدیوں تک ہمیں حاصل تھا، اپنی جگہ بر قرار نہ رہ سکا۔ ہم سماج کے چیرہ دست اور بانفوذ طبقہ کی نچلے طبقہ پر کیئے گئے جبر سے منفعل نہیں ہوئے۔ گویا وطن پرستی شجاعت اور پرہیز گاری کا ہم میں کوئی نشان باقی نہ رہا۔ ہم راستگوئی کی طرف مائل نہیں ہوئے اور جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے رہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ان حالات کو، جن سے میرا باپ دوچار ہوا تھا اور جن کو اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ بدل دیا، جاننے کے لئے میرے باپ کے دور حکومت سے پہلے کے زمانہ پر اجمالی نظر ڈالی جائے۔ اس دور میں ہمارا ملک بیرونی طاقتوں کی پے در پے دخل اندازی سے دوچار ہو رہا تھا اور ہمارے رہنما لڑکھڑاتی ہوئی سیاست اور فاسد مملکت داری کے بھروسہ اپنے دن کاٹتے رہے۔

۱۱۸۵ھ میں فتح علی شاہ قاجار نے حکومت فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ان دنوں نپولین فرانس کا بادشاہ تھا۔ اسے یہ امید تھی کہ اس معاہدہ سے وہ ایران کے راستے ہندوستان پر اپنا قبضہ جما سکتا ہے۔ اس معاہدہ میں مقرر ہوا تھا کہ حکومت فرانس ہمیں فوجی اسلحہ اور ساز و سامان اور ہمارے سپاہیوں کو فوجی تعلیم و تربیت دے گی تاکہ ہم روس کی زار شاہی کے خلاف جد وجہد کر سکیں جس نے چھ سال سے گرجستان کے صوبہ کو ایران سے متنازعہ بنا کر الگ کر دیا تھا۔ پیٹر اعظم کے دورِ حکومت (۱۰۷۰ سے لیکر ۱۱۳۷ تک) میں روس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ جنوب کی طرف اپنی حکمرانی کے دایرے کو وسعت دے اور خلیج فارس اور وہاں کی بندرگاہوں کو اپنے قبضہ میں لائے۔ لیکن نپولین نے روسیوں کے ساتھ صلح و صفائی کی اور ہندوستان پر چڑھائی کے ارادے سے منصرف ہوا۔

ان حالات میں ہم نے گرجستان کو روسیوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے ایک فوجی مہم عمل میں لائی لیکن اس کے نتایج بہت خطرناک ثابت ہوئے۔ ۱۱۹۱ھ میں عہد نامہ گلستان

کی رو سے ہم مجبور ہوئے کہ نہ صرف گرجستان کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں بلکہ آٹھ اور اضلاع بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ اس کے علاوہ بحر خزر میں کے ساحلی پانی میں اپنے جنگی جہاز ٹھہرانے کے حق سے بھی ہم محروم ہو گئے۔

روسی ہندوستان پر نظر جمائے بیٹھے تھے۔ اس مسئلہ نے انگریزوں کی توجہ ایران کی طرف مبذول کی کیونکہ یہ ملک ہندوستان کی طرف کسی بھی مہم کے لئے پہلی منزل کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ۱۱۹۲ھ میں انگریزوں نے ہمارے ساتھ عہد نامہ بمبئی طے کیا جس کا یہ مطلب تھا کہ روسیوں کی ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی روک تھام کے لئے مشترکہ دفاع قائم کیا جائے۔ اس عہد نامہ کے مطابق برطانوی حکومت اس امر کی ذمہ دار بنی کہ روس کی طرف سے ہم پر بلاوجہ حملے کی صورت میں وہ ہمیں فوجی اور مالی کمک دے گی۔

۱۲۰۴ھ میں ایک بار پھر ایران اور روس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ برطانوی حکومت نے ہمیں ضروری کمک پہنچانے سے انکار کیا لیکن ایران اور روس کے درمیان ثالث بننے کی کوشش کی۔ اس بار بھی ایران کے پاس جنگ کے لئے کافی وسائل نہ تھے اور جنگ کے لئے آمادہ بھی نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران ۱۲۰۶ھ میں ترکمانچای نام کے منحوس معاہدہ پر دستخط کرنے پر مجبور ہوا۔ اس عہد نامہ کے مطابق ایران کی سرزمین کا ایک اور علاقہ روسیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ایران کو بھاری رقم بطور تاوان جنگ روس کو دینی پڑی اور اس کے علاوہ روس کو تجارتی امتیازات بھی دینے پڑے۔

کچھ مدت کے بعد انیسویں صدی میں روس نے ہمارے ساتھ ظاہری طور دوستانہ رویہ اختیار کیا بلکہ اس امر کی حمایت کا بھی اظہار کیا کہ ہم اپنے مشرق کی طرف واقع علاقہ جات پر جو افغانستان کے قرب وجوار میں تھے، دوبارہ قبضہ کریں۔ ہمیں افغانستان کے ساتھ جنگ پر اکسایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اور انگلستان کے درمیان شکر رنجی پیدا ہوئی کیونکہ وہ افغانستان کو ہندوستان کے دفاع کے لحاظ سے پہلا مورچہ خیال کرتے تھے۔ یہ ان بن ۱۲۳۵ھ میں نمودار ہوئی لیکن صرف قلیل عرصہ تک برقرار رہی۔ اس کے ساتھ ہی روسیوں نے ترکمانچای معاہدہ کے مطابق نہ صرف ایران کے شمالی علاقہ جات پر قبضہ کیا تھا بلکہ مشرقی علاقوں میں اپنی بالادستی اور اثر و رسوخ کو پھیلایا۔

ہم ہر روز انگلستان اور روس کی باہمی تجارتی رقابت کے شکار ہوتے گئے۔ یہ

کہنے میں ہمیں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیئے کہ اس صورت حال میں کچھ ہمارا بھی قصور ہے۔ قاچاری بادشاہوں نے اپنے دربار کی بے اندازہ فضول خرچیوں کی وجہ سے ایران کے خزانے کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے غیر ملکیوں کو کئی تجارتی امتیازات دیئے۔ ان میں ایک عجیب امتیاز وہ تھا جو ۱۲۵۰ھ میں بادشاہ وقت نے ایک برطانوی باشندہ بنام ژولیوس دوروئیتر کو دیا۔ اس امتیاز کی رو سے بیرن دوروئیتر کو ستر سال تک ایران میں ریلوے لائن بچھانے اور ٹرامویے بنوانے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر سڑکیں بنوانے، آبپاشی کے ذرائع فراہم کروانے، معدنیات اور کارخانہ داری، تار برقی، کسٹم ڈیوٹی کے اعداد و شمار جمع کروانے وغیرہ کے بھی وسیع اختیارات اس کو دیئے گئے۔ لیکن عوام کی شدید مخالفت اور روسیوں کے دباؤ کی بنا پر بادشاہ وقت (الف) اختیارات کو واپس لینے پر مجبور ہوا۔ بیرن رائیٹر کی دل جوئی کے لئے بادشاہ نے اسے اجازت دی کہ وہ برطانوی سرمایہ سے ایران میں ایک بنک کی بنیاد ڈالے جس کو ایک مدت تک ایران میں کاغذی کرنسی اجرا کرنے کا حق حاصل تھا۔ رفتہ رفتہ اس شخص کو ایران میں بہت سی معدنیات جن میں تیل بھی شامل تھا نکالنے کا اختیار دیا گیا اگرچہ تیل کے اختیار سے اُسے کوئی مادی فائدہ نہ پہنچا۔

انگریزوں نے ایران میں برقی تار لگوائی اور وہ اُس کا اہتمام بھی کرتے رہے۔ کارون ایران کا ایک ہی دریا ہے جس میں جہاز رانی ہوتی ہے۔ یہ حق بھی انگریزوں کو دیا گیا۔ تنباکو کا حق بھی ایک انگریز کو دیا گیا لیکن روشنفکر اور مذہبی لوگوں (مُلّاؤں) کی شدید مخالفت کی بنا پر یہ حق واپس لیا گیا اور اس سے مربوط پیمان کو توڑا گیا۔

ان حالات کے ساتھ ساتھ روسی ہمارے ملک میں اپنے اثر کو بڑھانے کے درپے رہے۔ ناصر الدین شاہ نے انہیں اجازت دی کہ ایرانی قزاقوں کے ایک بریگیڈ کی روسی افسروں کے کمانڈ کے تحت تشکیل دی جائے۔ یہ بریگیڈ جو ایک بیگانہ حکومت کے اختیار اور تربیت کے تحت تھا، بہت جلد ایران کا مؤثر ترین جنگی قوت بن گیا۔ سنہ ۱۲۶۶ھ میں ایک روسی کو بحر خزر کے ساحلی علاقہ میں ماہیگیری کا اختیار دیا گیا۔ ۱۲۶۹ھ میں ایران میں روسی بنک کی بنیاد ڈالی گئی اور برطانوی بنک کی طرح اسے بھی کاغذی کرنسی اجرا کرنے کا حق دیا گیا۔ روسیوں نے اس حد پر ہی اکتفا نہ کیا۔ انہوں نے شاہ ایران کو

کچھ قرض دے کر اپنے لئے کئی تجارتی امتیازات دینے پر آمادہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی روسیوں نے اور بعض باقی تمام حکومتوں نے سرمایہ داری کو ایران پر ٹھونس دیا۔ ایران کی حکومت ان غیر ملکی لوگوں پر کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی جنہوں نے ایران میں رہ کر کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

قاجاری بادشاہوں کی من مانی اور غیر ذمہ داری نے ایران کے لوگوں کو مقابل قدم اٹھانے پر مجبور کیا اور آئینی حکومت کی مانگ کرنے والوں کی جماعت (مشروطہ طلبان) وجود میں آئی۔ ۱۲۸۴ھ شمسی کے تیر مہینہ میں مشروطہ طلبان میں تقریباً دس ہزار تاجروں اور دیگر لوگوں نے تہران میں برطانوی سفارت خانہ میں پناہ لی۔ در اصل انہوں نے قاجاریوں کی حکومت اور نظم و نسق سلطنت میں فساد کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ انہی دنوں تہران کے کچھ روشن فکر مذہبی لوگوں (ملاؤں) کو شہر سے باہر قم میں حراست میں لیا گیا۔ بہر حال شاہ مجبور ہوا کہ اصلاحات کا وعدہ دے اور دو مہینے بعد اس نے ایران میں مشروطیت کا اعلان کیا۔

مشروطیت کے چاہنے والوں نے اندرونی اصلاحات کے علاوہ ایرانی بادشاہ کے دربار میں روسیوں کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی بھی مانگ کی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انگریز صرف اس لئے ایرانیوں کی اس وقت حمایت کرتے تھے کیونکہ ایرانی روسیوں کے خلاف تھے لیکن میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ انگریز ایران میں ایک آئینی حکومت برقرار کرنے کے واقعی طرف دار تھے۔ اس کے باوجود ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ ۱۲۸۵ھ میں روس اور انگلستان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے دونوں حکومتوں نے ایران، افغانستان اور تبت میں اپنے اپنے دائرۂ عمل کی حدود مقرر کیں۔ اس معاہدہ نے مشروطیت پسندوں کے دلوں کو سرد بنا دیا۔

اگرچہ متذکرہ بالا قرارداد میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ایران کی علاقائی سالمیت اور آزادی کو ہی لحاظ پر برقرار رکھا جائے گا، لیکن در اصل اس قرارداد نے ایران کو بیرونی ممالک کے زیر اثر آنے والے منطقوں میں تقسیم کیا۔ انگریز رضامند ہوئے کہ وہ ایران کے شمالی علاقوں میں جو کہ روسیوں کے زیر اثر قرار دیئے گئے تجارتی امتیازات سے دستبردار ہو جائیں اور ساتھ ہی دوسری طاقتوں کو بھی اس علاقہ میں دخل اندازی کرنے

سے منع کریں۔ روسیوں نے اس کے مقابلے میں ایک ایسا ہی عہد انگریزوں کے ساتھ کیا۔ جس کی رو سے وہ ایران کے جنوب مشرق میں ایک چھوٹے سے علاقہ پر انگریزوں کے اثر و رسوخ کو تسلیم کر چکے۔

ان دو منطقوں کے درمیان کے علاقہ کے لئے ان دو حکومتوں نے اپنے اپنے اثر رسوخ کی حدیں معین نہیں کیں جس کو جو امتیازات ملے تھے وہ اس حکومت کے لئے برقرار رہے۔ ان امتیازوں میں مٹی کے تیل کا اہم امتیاز بھی ہے جو کہ آسٹریلیا کے ایک انگریزی باشندہ بنام دارسی کو ۱۲۷۹ھ میں دیا گیا تھا۔ لیکن در حقیقت اس منطقہ کو جس کو کہ ان دو حکومتوں کی زبان میں "بیطرف علاقہ" کہا جاتا تھا۔ انگریزوں نے روسیوں کے مقابلے میں زیادہ حد تک اپنے اثر کے تحت لایا تھا۔

پہلی جنگ عظیم میں روسیوں اور انگریزوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کیا۔ اس سے پہلے ہی یہ دونوں ملک جرمنی کی نئی فوجی طاقت کے خطرات کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ ان کی یہ اُمید تھی کہ ۱۲۸۵ھ کی قرارداد ان کے درمیان رقابت کی شدت کو کم کرے گی اور اس طرح انہیں مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں تقویت ملے گی۔ لیکن ایران کے نقطۂ نظر سے مذکورہ بالا قرارداد کا مقصد ایران کو ہڑپ کرنے کے بغیر اور کچھ نہ تھا۔ بہرصورت اس قرارداد سے روس اور انگلستان کا مقصد عملی نہ بن سکا اور ہمارے ملک میں ان دو طاقتوں کی رقابت بڑھتی ہی گئی۔

ان حالات کے ساتھ ادھر ایران میں قوم پرست ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے اور ۱۲۸۴ھ میں بنائی گئی مجلس (پارلیمنٹ) کی حمایت نہ کر سکے۔ مظفر الدین شاہ، ایران میں آئینی حکومت کی نسبت خفیف سی دلچسپی رکھتا تھا لیکن اس کا بیٹا ایسی حکومت کا سخت دشمن تھا۔ اُس نے مصمم ارادہ کیا کہ روس کی مدد سے ایران میں مطلق العنانیت کو دوبارہ برقرار کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے تین کوششیں کی گئیں۔ پہلی کوشش میں مشروطہ خواہان کے ذریعہ عمل میں لائی گئی مسلح مقابلہ میں اس کی چال تباہ کی گئی۔ دوسری بار ۱۲۸۶ھ کے خرداد مہینہ میں ایرانی قزاق بریگیڈ کے روسی کمانڈر نے ایران کے پارلیمنٹ ہاؤس کو توپوں سے اُڑا دیا اور شاہ نے مجلس کو توڑ دیا۔ شاہ اور اس کے روسی

ہوا داروں نے ایرانی قوم کی قوت کو بے اہمیت اور سرسری سمجھ رکھا تھا۔ اگلے سال مشروطہ خواہوں نے قزاقی بریگیڈ کی طاقت کو زائل کر کے رکھ دیا۔ محمد علی مرزا نے روس کی طرف فرار کیا اور اس کا گیارہ سال کی عمر کا شہزادہ احمد شاہ، اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ ۱۲۸۹ھ میں محمد علی نے آخری بار کوشش کی اور اس کے طرف دار روس اور بحر خزر کے ساحلی علاقوں کے راستے ایران کو مسخر کرنے پر اُتر آئے لیکن یہ تیسری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔

محمد رضا مشتاق کشمیری

(۳)

ڈاکٹر شمس الدین احمد
صدر شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی

مشتاق کے شاگرد

مشتاق کشمیری کے ہمعصر تذکرہ نویس اور شاعر خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے جہاں لطف اللہ بیگ صہبا اور محمد اشرف یکتا کو مشتاق کے شاگردوں میں شمار کیا ہے وہاں اُن شاعروں کے بارے میں، جو ان شاگردوں کے ہمزمان تھے، اپنی تصنیف میں یوں لکھا ہے:-

"محمد اشرف یکتا، لطف اللہ بیگ صہبا و امثال ایشاں کہ ہمہ تربیت یافتگان ملا ساطع و محمد رضای مشتاق اند ذکر ہمہ جُدا جُدا موجب تطویل است ... ..."[۱]

پس ظاہر ہو جاتا ہے کہ یکتا اور صہبا کی طرح اور بھی کئی شعرا نے محمد رضا مشتاق سے تربیت پائی تھی۔ تاریخ حسن کے مؤلف نے محمد اشرف یکتا اور لطف اللہ بیگ صہبا کے ہمزمان شاعروں میں سے میر محمد معروف، ملا محمد توفیق، ملا عبدالغفور نامی، شاہ رضا چشم، ملا میرک فانی، اشرف الدین خان فرحت اور خواجہ امان اللہ کا نام لیا ہے[۲]۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کئی شاعر، مشتاق کے شاگرد رہے ہوں گے۔ شرف الدین خان فرحت نے مشتاق کا شاگرد ہونے کی طرف اس طرح سے اشارہ کیا ہے

طبع فرحت کی اسیر دام ساطع میشود ۔۔۔ این کبوتر ہم نفس مشتاق بلم گیر است

ان شاعروں کے بارے میں کوئی مفصل ذکر موجود نہیں۔ چند ایک بارے میں چونکہ تاریخ حسن اور واقعات کشمیر میں آیا ہے انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

---

[۱] واقعات کشمیر ص ۲۶۵
[۲] تاریخ حسن جلد ۲ ص ۳۵-۳۶

میر محمد معروف

معروف، قاضی محمد محسن اندرواری[1] کا بیٹا تھا۔ خطاطی اور انشاء میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور ہر فن سے بھی آگاہ تھا۔ میاں محمد امین دار[2] کے مریدوں میں سے تھا۔ کشمیر کے مشایخ سے متعلق ایک رسالہ لکھا جس میں اپنے کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ معروف ایک خوش طبع شاعر اور پسندیدہ اطوار رکھتا تھا۔ خواجہ اعظم دیدہ مری کے بقول معروف کے اشعار قدیم اسلوب میں ہیں[3] اور تاریخ حسن کے مؤلف کا کہنا ہے کہ معروف ایک برجستہ شاعر تھا[4]۔ معروف کا نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

چرخ از جگرم ربوده داغی — افروخت ببزم خود چراغی
از دولت داغ عشق کیفیت — خاکستر من بطرح باغی
معروف و درین بهار توبه؟ — دیوانه بهرزه کرده لاغی[5]

شرف الدین خان فرحت

شرف الدین خان ابن محمد خان ابن ملا کاظم عالی بجودت طبع اور شعر و انشا کے فن میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھا۔ شیر جنگ خان بہادر[6] کے عہد حکومت میں صدارت

---

[1] قاضی محمد محسن اندرواری کشمیر کے نامور فاضل اور فقیہہ قاضی ابراہیم کے فرزند تھے اور اس طرح سے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں سالہا سال سے علم و ادب کی روایت چلی آرہی تھی۔ قاضی محسن اپنے زمانے اور ہمعصر فضلا میں علم معقول و منقول میں ممتاز تھے اور اپنا بیشتر وقت درس و تدریس میں صرف کرتے تھے۔ موزون طبیعت پائی تھی اور پختہ فکر رکھتے تھے۔

[2] حضرت میاں محمد امین دار تجارت پیشہ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تجارت اور دنیوی مال و متاع سے دستبردار ہو کر فقیری و درویشی اختیار کی اور سکوت و خلوت میں زندگی گذارنے لگے۔ اپنے زمانے کے نامور عارفوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند جب کشمیر میں تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت سے مستفید ہو کر مسرت کا اظہار کیا۔ ۱۱ رمضان ۱۰۹۹ھ میں وفات پائی۔ اسم ذات کے کلامات سے متعلق قطرات نامی کتاب اور نوریہ نام کا رسالہ آپ کی تصانیف میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو: واقعات کشمیر ص ۱۷۸

[3] واقعات کشمیر ص ۲۹۰ [4] تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۵

[5] واقعات کشمیر میں داغی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو واقعات کشمیر ص ۲۹۰

[6] شیر جنگ خان بہادر کا اصلی نام جان نثار خان تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں کشمیر میں نائب گورنر مقرر ہو کر آیا اور آتے ہی بڑی چالاکی و مکر و فریب سے ابوالبرکات خان گورنر کو گرفتار کر کے اُسے محمد شاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ باغیوں کو کشمیر سے نکال دیا اور مفسدوں کو قید میں ڈال کر امور مملکت کو سدھارنے میں سرگرم عمل رہا۔ چھ ماہ کی حکومت کے بعد دہلی دربار میں واپس بلا لیا گیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۲ ص ۶۱۷۔

کے منصب پر فائز تھا۔ بالآخر اس منصب کو ترک کر کے خلوت و تنہائی میں بسر کی۔ اور سرینگر میں واقع بہاؤالدین گنج بخش رحؒ کے مزار میں دفن ہوا۔ فرحتؔ ہندوستانی اسلوب میں شعر کہتا تھا اور اُس کے اشعار میں صلفت استدلال اور ایہام بہت نمایاں ہے ذیل میں نمونۂ کلام کے طور پر اُس کے دو شعر ملاحظہ ہوں سے

دل چو بیجا شد پریشان گردد اوراق حواس　　ربط در دفتر نماند چون شود سر فرد گم
عشقت کمی از چارہ و تدبیر ندارد　　درمان تب شیر طبا بشیر ندارد

مشتاق کے شاگردوں میں سے ملا محمد اشرف یکتاؔ اور ملا محمد توفیق معروف ترین ہیں۔ توفیق تو ملک الشعرا کا رتبہ تک پا چکا۔ مناسب ہے کہ مشتاق کے ان دو مشہور شاگردوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

محمد اشرف یکتا

نگارستان سخن کے مولف نے یکتا کے بارے میں لکھا ہے :۔

"یکتاؔ — محمد اشرف ، شاعر غرّا بود و در سخن سرائی یکتا ... ..." [۱]

تاریخ حسن کا مولف لکھتا ہے :۔

"محمد اشرف یکتا ۔ کم گو و برجستہ گو بود و دیوان اشعارش معروف" [۲]

صاحب واقعات کشمیر نے لکھا ہے :

"محمد اشرف یکتاؔ ۔ کم گو و برجستہ گو بود" [۳]

تذکرۂ روز روشن کا مولف لکھتا ہے :

"یکتا ، محمد اشرف ، از نکتہ سنجان کشمیر جنت نظیر بود و تا آخر عہد محمد شاہ بادشاہ دہلی مراحل عمر طے می نمود ..... [۴] "

تذکرہ نتائج الافکار کے مولف کا کہنا ہے

"محمد اشرف یکتا ۔ پسندیدہ فصحا کہ اصلش از کشمیر است مرد خوشفکر بود و طبع موزون داشت در عہد محمد شاہ بادشاہ بخوبی میگذرانید ..... " [۵]

صاحب تذکرہ مخزن الغرائب نے لکھا ہے :

---

[۱] نگارستان سخن ۔ ص ۱۵۰　[۲] تاریخ حسن ج ۴ ص ۳۶

[۳] واقعات کشمیر ص ۲۶۵　[۴] روز روشن ص ۱۲۷

[۵] نتائج الافکار ص ۷۹۲

"محمد اشرف یکتا۔ وی از خطۂ کشمیر دلپذیر است۔ اکثر شعر خوب از طبعش سرودہ، تا عہد محمد شاہ پادشاہ زندہ بود... ...۱؎"

تذکرہ صحف ابراہیم کے مؤلف کا بیان ہے:

"محمد اشرف یکتا، از مردم کشمیر است۔ او اواخر عہد جنت آرامگاہ محمد شاہ در کشمیر بخوشحالی میگذرانید و مردم آنجا بدرستی سلیقہ نظم او را مسلم میداشتند...۲؎"

ان بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ یکتا اپنے زمانے میں کافی مقبول شاعر رہا ہے اور تاریخ حسن کے مؤلف کے بقول اُس کا دیوان شعر معروف ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ یکتا کا دیوان دستیاب نہیں، اُس کے اشعار سے، جو مختلف تذکروں میں پائے جاتے ہیں، معلوم ہو جاتا ہے کہ مضمون آفرینی، نازک خیالی اور بیان کی سادگی کے شعری خصائص میں اپنے اُستاد سے بہت متاثر ہوا تھا۔ تذکروں میں یکتا کے جو اشعار موجود ہیں اُن میں سے بیشتر اشعار سے فکر کی پختگی مترشح ہوتی ہے، اور بقول یکتا سے

در میان این ہمہ ارباب شعر　　شعر اگر کم گفت یکتا کم نگفت

اگرچہ یکتا نے ایسے شعر بھی کہے ہیں جو مذاق سلیم پر گراں گذرتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یکتا کا کلام خیال بندی، سلاست بیان، سادگی اور شگفتگی ادا کے لحاظ سے قابل ملاحظہ ہے۔ ذیل کے چند اشعار نمونہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں سے

شہر آشوب ہمین نرگس فتان تو نیست　　فتنۂ ای نیست کہ زیر سر مژگان تو نیست

کی ترک سجدۂ بت دلربا کنم　　کارہا کہ کافری نکند من چرا کنم

سخت دشوار است دل از محفلت برداشتن　　ساقی از رنگینی بزم تو پا ہم در حناست

بود شب شوری ندانم نالۂ دل بودہ است　　یا صدای بال مرغ نیم لبسمل بودہ است

ہرگز بکسی نگاہ مکن آشنا مشو!　　ای چشم من بمردم بیگانہ وا مشو

لبسکہ از بیدلو زلفت چشم من ترسیدہ است　　خیزد از موج نگہ زنجیر سان شیون مرا

بسختی ہر کہ میسازد ندارد بیم افسردن　　ز آب تیغ ایمن آتش سنگ فسان باشد

خرابم از جفا اندیشہ ظالم مدعا شوخی　　ستم پرور وفا بیگانہ بیداد آشنا شوخی

۱؎ مخزن الغرائب ج ۵ ص ۵۱۶　۲؎ صحف ابراہیم ج ۴ صحیفہ ی شمارہ شاعر ۵۲:

دارو از لبس طلب مہر بخش خوشی الم میروم چون مہ نور راہ و نجود میبالم

یکتا نے جہاں اپنے اُستاد سے فن شعر میں استفادہ حاصل کیا وہاں حسنِ خط میں بھی اُنہی سے تربیت پائی تھی اور شاید اپنے اُستاد کی پیروی میں خطاطی کو اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ کہا ہے ؎

حسنِ تحریر اگر ہست ترا نان وہد در ہمہ جا دست ترا [1]

یکتا کی تاریخ وفات واقعات کشمیر میں یوں درج ہے "یکتا کجا رفت ہای ہای" [2]، جس سے ۱۱۵۱ھ نکلتا ہے۔ تذکرہ روز روشن اور نتائج الافکار کے مؤلفین نے "اوسط مائۃ ثانی عشر" [3] میں یکتا کے وفات پانے کا ذکر کیا ہے۔ گویا یکتا کی صحیح تاریخ وفات یہی ۱۱۵۱ھ ہے یعنی اپنے اُستاد کے آٹھ سال بعد۔

ملا محمد توفیق ۔ مشتاق کے صاحب کمال شاگردوں میں ملا محمد توفیق ایک ایسے تارے کی حیثیت رکھتا ہے جو کشمیر کے فارسی ادب کے آسمان کو دیر تک اپنے نور سے منور کرتا رہا۔ توفیق کا نام لال جو [4] اور لقب ملا محمد توفیق تھا۔ ہندو [5] نامی قبیلے سے تھا جو جامع مسجد سرینگر کے قرب وجوار میں سکونت پذیر تھا۔ توفیق کا سال ولادت معلوم نہیں۔ تاریخ حسن کے مؤلف پیر زادہ حسن شاہ کھویہامی نے اس کا سال وفات اس جملے سے نکالا ہے۔ "آبرو بودہ بہ گلزار سخن" [6]

اور اس سے ۱۱۹۶ھ نکلتا ہے۔ اگر تذکرہ روز روشن [7]، تذکرہ نتائج الافکار [8] اور تذکرہ شمع انجمن [9] کے مؤلفین کے بیانات کو صحیح مان لیا جائے کہ توفیق نے ۸۹ سال کی عمر میں وفات پائی تو پھر توفیق کا ۱۱۰۷ھ میں پیدا ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔

توفیق نے پہلے ملا ساطع کشمیری [10] سے شعر میں اصلاح پائی اور بعد میں تاریخ حسن کے مؤلف کے بقول، "باستعداد خداداد از محمد رضای مشتاق استفادہ نمود تا ملک الشعرای وقت شد" [11]۔

---

[1] تاریخ حسن ج ۴ ص ۳۶ [2] واقعات کشمیر ص ۲۶۵

[3] تذکرہ روز روشن ص ۱۲۷ ؛ نتائج الافکار ص ۷۹۲

[4] خزانۂ عامرہ ص ۱۱۴ [5] ایک معروف قبیلہ ہے جس کے مسلمان اور ہندو افراد ابھی بھی کشمیر میں موجود ہیں [6] تاریخ حسن ج ۴ ص ۷۴ [7] روز روشن ص ۱۲۷ [8] نتائج الافکار ص ۷۹۲ [9] شمع انجمن ص ۹۹ [10] ملا ساطع کشمیری سے متعلق مشتاق کے ہمعصر شعرا کا باب اسی رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں [11] تاریخ حسن ج ۴ ص ۷۵ ؛

(۱۱۶۰-۱۱۸۶ھ)

سلسلۂ شاہانِ دُرانی کے بانی احمد شاہ دُرانی [1] نے جب سال ۱۱۶۶ھ میں کشمیر پر قبضہ کیا تو اُس نے ۱۱۶۷ھ میں راجہ سکھ جیون مل [2] نامی اپنے ایک درباری امیر کو کشمیر کا حاکم مقرر کیا۔

[1] محمد زمان خان کا بیٹا احمد شاہ ابدالی سدوزئی قوم سے تھا۔ پرانے زمانے سے یہ ... قوم مُلتان میں رہتی تھی۔ احمد شاہ ابدالی کا دادا عبداللہ ۱۱۲۹ ہجری میں مُلتان سے ہرات میں جا بسا اور وہاں اپنی شہامت و شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے نتیجے میں ابدالی قوم کا رئیس بن گیا اور کئی جگہوں میں اُس نے ہرات کے حاکموں کو شکست دی۔ جب ایران کے بادشاہ نادر شاہ (۱۱۴۸-۱۱۶۰ ہجری) نے خراسان پر قبضہ کیا۔ (۱۱۴۰ ہجری) اور ہرات پہنچا (۱۱۴۱ ہجری) تو عبداللہ کا پوتا احمد شاہ اُس کا منظورِ نظر بن گیا اور اُسے فوج میں مناسب عہدہ دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد اُسے دُرّانی کا خطاب بھی عطا کیا اور ہرات و قندھار کا حاکم بنا دیا۔ قندھار کا حاکم ہونے کے بعد احمد شاہ نے غزنی کابل اور لشاور مسخر کیا (۱۱۶۰ ہجری)۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کی دوسری جگہوں پر قابض ہونے کی غرض سے روانہ ہوا اور لاہور، دہلی اور پنجاب پر قابض ہوا۔ ۲۵ سال تک حکومت کرنے کے بعد احمد شاہ دُرّانی نے ۱۱۸۶ ہجری میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۲ ص ۶۴۰ تا ۶۵۱ ؛ تاریخ جہانگشائی نادری۔ درۂ نادرہ

[2] کھتری قوم کا (جو ہندوؤں کی ایک قوم ہے) سکھ جیون مل کابل میں پیدا ہوا۔ پنجاب میں خوشاب کے علاقے میں بھیرہ نامی گاؤں میں اس کا خاندان سکونت پذیر تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے عہدِ حکومت میں کشمیر کا گورنر مقرر ہو کر آیا (۱۱۶۷ھ) اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں کشمیر کے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آیا۔ بعد میں اپنے صدرِ اعظم مہانند جو پنڈت جو اُس کا مشیر اور مدارالمہام تھا کے اُکسانے پر اُس نے کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم روا رکھا اور بڑی بے دردی سے اُن کا قتل کرتا رہا۔ اس ظلم و جور سے جب احمد شاہ ابدالی کو مطلع کیا گیا تو اُس نے سکھ جیون کو معزول کیا اور نورالدین خان کو کشمیر کا حاکم بنا کر بھیجا۔ جب نورالدین خان کشمیر پہنچا تو اُس نے سکھ جیون مل کے ایما پر سرکش فوج کی ایک جماعت اپنے مقابلے میں پائی۔ نورالدین خان نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کر کے سکھ جیون کو شکست دے کر اُسے گرفتار کیا۔ اُس کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور اسی حالت میں اُسے احمد شاہ کے دربار میں بھیج دیا (۱۱۷۵ ہجری)۔ احمد شاہ دُرانی نے اُسے ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوا دیا اور اس طرح سے اُس کی موت واقع ہوئی۔ سکھ جیون موزوں طبیعت رکھتا تھا۔ جب اُس کی آنکھیں نکالی جا رہی تھیں تو اُس نے بہت گریہ و زاری کی اور پہلے سے موزوں

سُکھ جیون کی شعر دوستی اور ادب پروری کے بارے میں تاریخ حسن کے مؤلف نے لکھا ہے:

"سکھ جیون مل مردی خوش طبع وسخندان وشاعر وباذل بود۔ علما وفضلای اسلامیہ را قدردانی ومہربانی بسیار کرد۔ روز جمعہ در مسجد جامع می‌بود۔ بزیارت مقابر اولیا فایز میگشت بروز سہ‌شنبہ باشعرا مشاعرہ میکرد وجشنہای عید ونوروز بکمال شوکت وشان ادا میساخت از شعرای کشمیر ہفت کس انتخاب کردہ برای نظم کردن تاریخ کشمیر ہرکس را حصۂ جداگانہ تفویض نمود ہمینکہ چند جزو نظم کردہ بودند واقعہ ہائلہ او بظہور پیوست وشاہنامۂ کشمیر ناتمام ماند۔ مدت حکومت او ہشت سال وچہار ماہ وہشت روز است ... ..." لہ

توفیق نے ذاتی استعداد اور ذہن رسا کی بنا پر راجہ موصوف کے دربار میں رسائی پائی۔ سخن فہم اور نکتہ دان راجہ نے اُس کے ہوش ذکاوت اور فطری استعداد کا ادراک

(بقیہ فٹ نوٹ) کئے ہوئے یہ چند شعر اسی حالت میں پڑھتا تھا ؎

چشم از وضع جہان پوشیدہ بہ | سر بسر احوال آن نادیدہ بہ
ہر کہ چون من داشت جا بر فرق گل | عاقبت در خاک وخون غلطیدہ بہ
چند روزی خود تماشا کردہ ام | زین چمن گلہای عبرت چیدہ بہ
گرو ہی شیر ش دہد زہرت عوض | زین سیہ مار جہان ترسیدہ بہ
باز اگر چشم جہان بینم دہند | چون گدایان در بدر گردیدہ بہ

نابینائی کی حالت میں بہت نالہ وفریاد کیا اور یہ رباعی کہی ؎

ہر چند گفتم نفس دنی را! | باید نکردن ناکردنی را!
این نفس سرکش نشنید از من | تا دید آخر نادیدنی را!

ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۲ ص ۶۶۰ : مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے "راجہ مزبور طبع موزونی داشت" وقتیکہ اورا دستگیر کردہ چشمش از کاسہ بر آوردند این رباعی در آن حالت گفتہ ؎

افسوس کہ چرخ مستمندم بگرفت! | شہباز بدم بیک کمندم بگرفت
صد خانہ بجور وظلم ویران کردم! | یک آہ کدام دردمندم بگرفت

لہ ملاحظہ ہو: مخزن الغرائب ج الف ۶۳ سلہ تاریخ حسن ج ۲ ص ۶۶۱ ؛

کرکے اُسے شاہنامۂ کشمیر کو نظم میں لکھنے والے، متین[۵۵]، سامی[۵۶]، نوید[۵۷]، راجح[۵۸]، شائق[۵۹]

[۵۵] متین۔ محمد علی خان نام اور متین تخلص تھا۔ متین کا باپ عصام الدین خان، محمد شاہ بادشاہ کے زمانِ حکومت میں کشمیر میں نائب گورنر تھا۔ متین، مرزا عبدالغنی بیگ قبول کشمیری کا شاگرد تھا۔ بلند طبیعت رکھتا تھا اور کشمیر کے مشہور شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ راجہ سکھ جیون نے متین کو شاہنامۂ کشمیر لکھنے والے شاعروں کے گروہ میں شامل کیا اور یہ انتخاب خود اس بات کا ثبوت ہے کہ متین اپنے زمانے میں مقبول شاعر رہا ہے ۱۱۷۹ ہجری میں وفات پائی اور مزار گنج بخش رح سرینگر میں دفن ہوا۔ نمونۂ کلام سے

وی لبسوی غیر من ای بیوفا دیدن چہ بود　　　　در حضورِ من از احوال پرسیدن چہ بود
دیدن و پرسیدن احوال ہم سہل است سہل　　　　باز از فریاد او از راہ گردیدن چہ بود
باز گردیدن ز فریادش مسلّم داشتم　　　　حرف تنہائی ازو در گوش پرسیدن چہ بود

[۵۶] سامی۔ محمد جان بیگ نام اور سامی تخلص تھا۔ کشمیر کے نامور شاعروں میں سے تھا عبدالرشید بینوا سے شعر کی اصلاح لیتا تھا اور شاعری میں نام پیدا کرنے کے بعد راجہ سکھ جیون مل کے دربار میں رسائی پائی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن راجہ سکھ جیون نے اپنے درباری شاعروں سے خواجہ حافظ شیرازی رح کی اس غزل کا " ای فروغ ماہِ حسن از روی رخشانِ شما" جواب لکھنے کو کہا۔ سبھی شعرا اپنی غزلیں دربار میں پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ سامی نے جو ابھی دربار میں رسائی نہیں پا چکا تھا باہر سے یہ شعر لکھ کر اندر دربار میں بھجوا دیا سے

"سامی از روی حیا بیرون در افتادہ است　　　　باز گردد یا درآید چیست فرمانِ شما"

سکھ جیون نے سامی کو دربار میں طلب کرکے اُسے اپنے درباری شعرا میں شامل کر دیا۔ سامی نے سکھ جیون اور اُس کے مدار المہام کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں۔ دیوانِ شعر بھی یادگار رہا ہے اور اس شعر کو اپنے دیوان کا مطلع قرار دیا ہے سے

خدا لیا ا بال و پروازِ محبت دہ فغانم را　　　　بکن عنقای قافِ عشق قمری زبانم را

سکھ جیون کی موت (۱۱۷۵ ہجری) کے بعد دہلی گیا اور ابوالبرکات خان کے بیٹے ابوالقاسم خان کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام سے

سر سرو نبالد بر آن نرگس کحول کشید　　　　بر حذر باش کہ این فتنہ دگر طول کشید
چہ روز است این کہ دیگر بر سرم آن سرو ناز آمد　　　　قیامت شد مگر قایم کہ عمرِ رفتہ باز آمد

تاریخ حسن کے مولف نے شاہنامہ کشمیر سے متعلق سامی سے ڈھائی ہزار ابیات منسوب کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۴ ص ۸۰:

اور حسن[1] نام کے چھ[2] شاعروں کی جماعت کا رئیس بنا دیا اور ہر بیت کے عوض ایک روپے

(بقیہ فٹ نوٹ) [3] نوید کا نام رحمت اللہ بانڈے تھا اور نوید تخلص کرتا تھا۔ معروف شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ بدیہہ گوئی میں بڑی مہارت پائی تھی اور راجہ سکھ جیون کے دربار میں ممتاز درجہ پایا تھا۔ نوید کا دیوان شعر اور منظوم شاہنامہ کے ابیات متانت و استواری میں معروف ہیں [4] راجح ـــ معروف شاعر تھا اور راجہ سکھ جیون کے دربار میں مقتدر شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے راجح کے کلام اور حالاتِ زندگی سے متعلق ابھی تک تسلی بخش حد تک کوئی اطلاع نہیں ؛

[5] شائق ـــ نام عبدالوہاب اور تخلص شائق اپنے زمانے میں نامور شاعر تھا۔ راجہ سکھ جیون مل نے اسے شاہنامہ کشمیر لکھنے والے سات شاعروں کے گروہ میں شامل کیا تاریخ حسن کے مؤلف نے لکھا ہے کہ راجہ موصوف کی فرمائش پر شائق نے حضرات سادات اور صوفیا اور سلطان العارفین حضرت مخدوم کشمیریؒ کی مدح و ستائش میں تقریباً ساٹھ ہزار اشعار تین جلدوں میں لکھے ہیں لیکن ہم تک صرف چالیس ہزار شعر پہنچے ہیں جو ریاض الاسلام کے نام سے حکومت کشمیر کے ادارہ تحقیق و اشاعت میں موجود ہیں شائق ایک قومی اور پختہ گو شاعر تھا اُس کے شعری خصائص میں بیان کی سادگی نمایاں ہے۔ نمونۂ کلام ؎

داستان را گر بزر اُلفت بناشد بہتر است   چون الف با زر شود پیوستہ نقش آزر است
اعتمادِ ہستی موہوم کردن ابلہیست   چون گذار و کس قدم بالای ظلِ پل در آب
بحق ہر کہ سودا کند سود اوست   ندارد زیان جملہ بہبود اوست
بسودای دنیای دون دل مبند!   گرفتار این دام باشی تو چند!
تو برہم چو اسیم و زرمی نہی !   بیابی عوض دہ اگر یک دہی !

[1] حسن نازک خیال شاعر تھا اور راجہ سکھ جیون کے دربار میں بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا حسن کا کلام دستیاب نہیں لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ شاہنامہ کشمیر کے ابیات اُس نے بھی لکھے ہیں ؛

[2] خزانہ عامرہ کے مؤلف نے سات شاعروں کی بجائے (جیسا کہ معروف ہے) صرف پانچ شاعروں کے گروہ کے تشکیل پانے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خزانہ عامرہ آزاد بلگرامی چھاپ نولکشور ص ۱۱۴ - ۱۱۵ ؛

انعام میں دینے کا وعدہ کیا۔ جب توفیق نے دو ہزار شعر مکمل کر لئے تو سکھ جیون مل، نورالدین خان کے ہاتھوں گرفتار ہوا (۱۱۷۵ھ) اور شاہنامہ کشمیر کی تکمیل نہ ہو سکی۔ توفیق کے دو ہزار ابیات جن میں پادشاہ کشمیر یوسف شاہ چک کے دور حکومت (۹۸۸-۹۹۴ھ) سے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ) تک کے حالات درج ہیں موجود ہیں۔

توفیق کی کلیات کا ایک نسخہ جو غزلیات، قصاید، مناقب، رسالہ سراپا، رسالہ شیبی اور رسالہ بحر طویل پر مشتمل ہے۔ حکومت کشمیر کے ادارہ تحقیق و اشاعت میں زیر شمارہ ۵۳۳ موجود ہے۔

توفیق کی شاعری کے بارے میں مختلف تذکروں میں جو اشارے ملتے ہیں ان سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ توفیق کی نغز گوئی، قدرت بیان، شگفتگی ادا، رنگین مضامین اور ترصیع برتنے میں چابکدست تھا۔

صاحب مخزن الغرائب نے لکھا ہے :-

"توفیق شاعر خوش بیان است ــــ در مثنوی و قطعہ داد معنی میدہد ..." [1]

شمع انجمن کے مؤلف کا کہنا ہے :-

"مولوی محمد توفیق کشمیری، در نظم طبعی داشت ... ..." [2]

تذکرہ حسینی میں لکھا ہے :-

"شاعر دقیق ملا توفیق، سخن سنج دلپذیر است" [3]

تذکرہ نتایج الافکار کے مؤلف کا کہنا ہے :-

"صاحب طبع بریق مولوی محمد توفیق کہ اصلش از کشمیر است با کمالات علمیہ در نظم پردازی ہم مناسبتی شایستہ داشت و فکر رسا ..." [4]

تاریخ حسن میں یوں آیا ہے :

"بقول ارباب کلام بعد ملا طاہر غنی ہیچکسی مثل او بر نخاست۔ دیوان اشعارش بمضامین رنگین و سنگین خاطر نشین اصحاب یقین است و غیر ازین رسالہ ہای بسیار مثل رسالہ شیبی و سراپا و بحر طویل و قصاید و منقبت وغیرہ از تصنیفات او مفرح اہل روزگار۔

---

[1] مخزن الغرائب ج ۱ ص ۶۳ ؛ [2] شمع انجمن ص ۹۹ [3] تذکرہ حسینی ص ۷۹ ؛ [4] نتایج الافکار ص ۱۳۱ ؛

تاریخ کشمیر قریب دو ہزار بیت از عہد یوسف شاہ چک تا عہد عالمگیر بطلاقت لسان و فصاحت بیان، یادگار۔ در مجلس سوکہ چیون سر دفتر شعرای مجلس بود ...." (۱)

اوپر کے بیانات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ توفیق نے فکر رسا پائی تھی اور نظم پردازی میں معنی آفرین شاعر تھا کلام میں شگفتگی پیدا کرنے اور لطیف مضامین برتنے کی خصوصیات کے پیش نظر توفیق نے اپنے استاد مشتاق کشمیری کی پیروی کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ ہے توفیق کے کلام کا نمونہ ؎

زلفت امروز در جور بجا گشودہ است | مار از روز ازل دشمن آدم بودہ است

معنی مرغ شب آویز نمی فہمیدم ! | یافتم در خم زلفت چو دل خود دیدم

زو بچہ راچون و حارا بہانہ ساخت | انداخت جام ولغزش پارا بہانہ ساخت (۲)

دل از کف دادہ ام اما بمیدانم کرا دادم | کسی این نسخہ را از من گرفت و رفت از یادم

رسد صہبا بر آید ابر و گیتی بشگفد گلگل | بحال توبہ کاران آسمان گرید زمین خندد

لیکن مجموعی طور پر توفیق غزل میں خوب نہ چمکا کیونکہ معنی آفرینی (جو اکثر و بیشتر اسکی نمایاں شعری خصوصیت تسلیم کی جاتی ہے) پر وہ الفاظ بافی کو ترجیح دیتا تھا اور اگرچہ بقول خود ؎

خون دل خوردن من در سخن از کس توفیق | نیست پوشیدہ کہ پیداست ز رنگ سخنم

لیکن اس کا ثمرہ چنداں لذت بخش نہیں۔ اکثر غزلوں میں فرسودہ مضامین، پرانی اصطلاحات اور مقامی رنگ کا بہت زیادہ غلبہ ہے اور اس کے نتیجے میں قوت تخیل میں مثالی زور و شور قائم نہیں رہا ہے اور اشعار میں پھیکا پن آ گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سبزۂ باغ رخش سر نکشید است ہنوز | پای بیگانہ بمکلش نرسید است ہنوز

توفیق پاس حق نمک کار آدم است | ورنہ نمک دہند بہ ہر گاو و گوسفند

---

(۱) تاریخ حسن ج ۴ ص ۵۱۴ (۲) ممکن ہے محمد حسن قتیل (وفات ۱۲۳۳ھ یا ۱۲۴۰ ہجری) نے اسی غزل کے تتبع میں اپنی معروف غزل کہی ہو جس کا مطلع ہے ؎

ملا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت | خود سوی ما ندید و حیا را بہانہ ساخت !

در یاد دو زلفِ بُتِ کشمیر نرلادی! / شد تارسر[1] و مارسر[2] از گریہ دو چشم

نور باغ[3] عارضت بی نور شد از جوشِ خط / خود صفاپور[4] رخت زالور[5] شد از جوش خط

زالیور[6] زلف را یک تار جمعیت نماند! / ہانجہاموں[7] لبت محبپور[8] شد از جوش خط

لیکن کہیں کہیں قلبی واردات کی بھی جھلک پائی جاتی ہے ؎

تیرت از سینۂ من غمزدہ آید بیرون / ہمچو آنکس کہ ز ماتمکدہ آید بیرون

زاندم کہ رفت مجنون کار جنون بتر شد / سرگشتہ گشت سودا، زنجیر دربدر شد

یوسف گذشت و مسند خوبی ترا گذاشت / خوش آنکہ رفت و بہ ز خودی را بجا گذاشت

خواجہ حافظ شیرازی اور صائب تبریزی کی پیروی میں بھی غزلیں لکھی ہیں ؎

من فدای غزلِ خواجہ کہ گوید توفیق / دوش رفتم بدر میکدہ خواب آلودہ

برد دل توفیق از من مصرع صائب کہ گفت / راہ حرفی پیش طوطی ہمچو شکر داشتم

لیکن غزل کے مقابلے میں بلاشبہ توفیق مثنوی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور رزمیہ مثنوی لکھنے کی بنیاد درحقیقت کشمیر میں توفیق نے ہی ڈالی۔ تاریخ کشمیر کے سلسلے میں شاہنامہ کشمیر نام کی دو ہزار ابیات پر مشتمل جو مثنوی توفیق نے لکھی ہے وہ کشمیر میں پہلی رزمیہ مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں توفیق نے ایران کے مایہ ناز رزمیہ مثنوی نگار فردوسی (۳۲۹ ہجری۔۴۱۱ ہجری) کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے اور حق تو یہ ہے کسی حد تک توفیق کو توفیق حاصل ہوا ہے۔ ذیل کے چند ابیات کا ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جنگ کو مجسم کر دینے میں مناسب کلمات خاص تراکیب کے اختراع اور منتخب الفاظ کے استعمال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے ؎

چو شد از دو سو بستہ صفہای کین / ہژبران گشادند برہم کمین!

تو گفتی ز شور و ز طوفان باد! / دو دریای آتش بہم برفتاد

زبس گشت توپ و تفنگ گرم کار / ہوا دود و گرد ہوا شد شرار

قضا در نہیب و قدر در ستیز! / اجل سست پا و اجل تند خیز!

ترنگ خدنگ، و طراق تبر! / زمین و زمان کرد پر شور و شر!

۱-۲ کشمیر کے مشرق کی طرف واقع اونچے پہاڑوں کے درمیان دو معروف جھیلیں۔

۳ تا ۸ کشمیر میں معروف دیہات کے نام۔

رزمیہ مثنوی کے علاوہ جہاں اخلاقی پہلو کو بیان کیا ہے وہاں سادگی اور تاثیر کی رعایت کی ہے ؂

شنیدم یوسف محنت رسیدہ !   مہ اوج و حضیض دھر دیدہ
بقعر چاہ چون بر سنگ جا کرد !   ادا کرد این سخن نیکو ادا کرد !
نباشد لطف حقا از بیکسان دور   زمین گو سخت باشد آسمان دور
....
کہ تا در ہر یک خانہ روشن کند   در صد قصر شیرین بہم بر زند
جہان چیست دریای ژرف و عمیق   علایق چو موج و خلایق غریق !
گر اورا کنار سلامت بود   لب نان خشک قناعت بود !

توفیق نے اخلاقی اور اجتماعی موضوعات پر قطعات بھی لکھے ہیں اور ان میں بھی سادگی کے علاوہ تنوع اور لطافت بیان کو ملحوظ رکھا ہے ؂

بروز حشر الٰہا چو نامۂ عملم !   کنند باز کان روز باز خواہ منست
بکن مقابلہ آنرا بسر نوشت ازل   اگر زیاد و کمی ہست آن گناہ منست

دوش بسپر و بجد او کسی ز تحسیری   کہ بہم بر زنان و ساز آئینہ ای با صد ناب
ساخت آئینہ و این نکتہ بپشش بنوشت   وہ ہر صد خانہ کند از پی یکخانہ خراب

لبکہ اہل حرفہ افتادند در فکر سخن   آنکش سقا تخلص کرد و درزی سوزنی
راز این صاحبکمانی منحصر در دولت است   ہر کہ زر دارد بدور خود بود ملا غنی

توفیق بدیہہ گوئی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ کہتے ہیں ایک دن راجہ سکھ جیون پالکی میں بیٹھ کر سرینگر شہر میں سے گذر رہا تھا۔ توفیق نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی اور مناسب انعام پایا ؂

این پالکی طاق کہ مطبوع و نکوست   چشمی است کہ بالش بر فرازش ابروست
چترش پلک دیدہ و مژگان ژالر !   چون مردمک دیدہ مہاراجہ در دوست

(۴)

مشتاق کشمیری کے ہمعصر شعرا

نامناسب نہیں کہ مشتاق کشمیری کے ہمعصر شعرا کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ مشتاق کے اسلوب شعر پر مفصل بحث کرتے وقت اُس کے کلام کے محاسن، امتیازی خصوصیات یا معایب وغیرہ کا اُس کے ہمزبان شعرا کے خصائص کلام کے پس منظر میں، تعین کیا جا سکے۔

مشتاق کے ہمعصر شعرا کی تعداد جو اُس سے پہلے، اُس کی زندگی میں یا اُس کے بعد وفات پا گئے خاصی ہے لیکن میں یہاں پر اُن چند شاعروں کا ذکر کروں گا جنہوں نے کشمیر میں فارسی ادب کے ماحول پر نمایاں اثر ڈالنے میں کامیابی حاصل کی اور جن کے شاگردوں نے اُن کی وفات کے بعد اُن کے شعری اسلوب کی روایات کو سالہا سال تک زندہ رکھا۔

جویا کشمیری

میرزا داراب بیگ نام اور جویا تخلص تھا۔ ملا ساملی جو خود ایک عالم و فاضل، سخن فہم اور نکتہ شناس آدمی تھا، جویا کا باپ تھا۔ جویا کی زندگی کے بارے میں مفصل اطلاعات میسر نہیں۔ مختلف تذکروں[1] میں آیا ہے کہ جویا دراصل تبریز (ایران) کا تھا۔ ریحانۃ الادب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"او (جویا) و برادرش کامران متخلص بہ گویا ہر دو در کشمیر زائیدہ و در تبریز نشو و نما یافتہ ..."[2]

اگرچہ جویا کا خاندان تبریز سے تھا[3] لیکن یہ کہ کشمیر میں پیدا ہونے کے بعد اُس کی تربیت تبریز میں ہوئی۔ درست معلوم نہیں۔ جویا نے نہ خود اس بارے میں اپنے کلام میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی دوسرے تذکرہ نگاروں نے۔ چنانچہ کشمیر سے باہر جویا

---

[1] مثلاً: صبح گلشن۔ صحف ابراہیم۔ سفینۂ خوشگو۔ ریحانۃ الادب۔ تذکرۂ علوک و فضلا۔

[2] ریحانۃ الادب ج ا ص ۲۹۳

[3] گنج سخن ج ۳ ص ۱۱۹۔

کا سفر کرنا بھی مشکوک ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے جویا کا اہالیٔ لاہور کی ہجو میں لکھا ہوا شعر نقل کر کے لکھا ہے کہ جویا نے لاہور تک کا سفر کیا تھا۔ شعر یہ ہے ؎

ازمردم لاہور مجو صدق وصفا　　باشند دل شان مایل تلبیس وریا

یہ شعر جویا کے لاہور تک سفر کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ کشمیر سے غیر معمولی دلچسپی رکھنے کے نتیجے میں مغلیہ بادشاہوں کے دورِ حکومت میں جو لوگ لاہور اور دہلی یا آگرہ جیسے بارونق شہروں سے کشمیر آکر کشمیریوں کے ساتھ گھل مل جاتے تھے اور اس طرح کی باہمی معاشرت سے اُنہیں ایک دوسرے کے اخلاق و کردار کو پرکھنے کا موقع میسر ہوتا تھا، جویا نے لاہور والوں کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کشمیر میں بیٹھے ہی اہالیٔ لاہور کی ہجو لکھی ہو۔ تاہم بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ جویا نے لاہور تک سفر کیا تھا (اور بعید نہیں کیا بھی ہو) لیکن جویا کا تبریز میں نشو و نما پانا ایک فرضی قصہ ہے۔

جویا کشمیر میں پیدا ہوا اور اپنے سخن فہم و صاحب علم باپ سے تربیت پائی اور اس طرح سے بچپن سے ہی ادبی ماحول میں اُس کی نشو و نما ہوئی جو بعد میں اُس کے ایک پختہ کار فارسی شاعر بننے کا موجب بنی۔ جویا کے خاندان کا ایک علمی و ادبی خاندان ہونے کے حق میں یہ کہنا کافی ہو گا کہ اُس کا بھائی کامران بیگ گویا بھی،[۲] جو خود

---

[۱] سفینۂ خوشگو میں درج ذیل کی عبارت سے بھی جویا کے ادبی ماحول کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولف سفینۂ خوشگو کہتا ہے ؎ "میرزا جویا —— اسم شریفش داراب بیگ۔ اگرچہ مغل زادۂ ایرانی است چون توطن در کشمیر اختیار کردہ بود آنجائی مشہور شدہ۔ صاحب سخن عالی ہمت بود۔ مشق بکمال رسانیدہ۔ داراب بیگ جویا و کامران بیگ گویا ہر دو برادر تخلص از ابوطالب کلیم اختیار کردہ اند۔ مشق کامران بیگ گویا در خدمت سامری تبریزی درست شدہ و فتح بیگ تسکین کہ ذکرش گذشت برادر الشان است و گویا در جای خود ذکرش خواہد آمد … مہدی بیگ صحت تخلص برادر زادۂ جویا درین زمان شاعری خوش سلیقہ و خوش صحبت و با خان صاحب آرزو بسیار آشنا بود … …"

[۲] کامران بیگ گویا، ملا سامری کا بیٹا اور میرزا داراب بیگ جویا کا بھائی تھا۔ اپنے باپ ملا سامری کا شاگرد تھا۔ گویا ایک متین اور عمدہ شاعر تھا۔ واقعات کشمیر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کشمیر کے مشہور فارسی شاعروں میں شمار ہوتا ہے، ملا اسامی (اپنے باپ) سے تربیت یافتہ تھا۔ سفینۂ ہندی کے مؤلف نے گویا کے علاوہ جویا کے ایک اور بھائی فتح بیگ تسکین کا ذکر کیا ہے جس نے اپنے دونوں بھائیوں کی طرح اپنے ہی خاندان کے علمی اور ادبی ماحول میں نشو و نما پا کر فنِ سخن میں نام پیدا کر لیا تھا۔ نیز مؤلف مذکور نے جویا کے برادر زادہ مہدی بیگ صحت کا بھی ایک خوش سلیقہ و خوش صحبت شاعر کی حیثیت میں نام لیا ہے [1]۔

جویا مغلیہ گورنر ابراہیم خان [2] کے دربار سے وابستہ تھا اور ابراہیم خان کا خاص ندیم و مقرب ہونے کی وجہ سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ زندگی گذارتا تھا۔

(بقیہ فٹ نوٹ) اور تاریخ حسن کے مؤلفین کے بقول شاعری میں وہ اپنے بھائی جویا کے برابر تھا (واقعات کشمیر ص ۲۰۸۔ تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۷) اور سفینۂ ہندی کے مؤلف کے بقول: "از برادر خود جویا پایۂ کم نمی آورد وہمہ حال با معاصران کلہ لکلامی نہاد" (سفینۂ ہندی ص ۲۳۴)۔ کہتے ہیں کہ ملا شیدا نامی شاعر ہجو فن شعر میں ایک بلند رتبہ رکھتا تھا، کشمیر میں ایک مشاعرے میں گویا سے آشنا ہوا۔ باتوں باتوں میں گویا نے فنِ شعر سے متعلق بحث چھیڑ دی اور شیدا کے جواب میں کچھ باتیں ایسی کہہ گیا جس سے شیدا رنجیدہ ہوا اور گویا سے مخاطب ہو کر کہا: "چگویم با آن کافر سلیقہ کہ مثل تو گوسالہ را گویا نمودہ" ملاحظہ ہو صحف ابراہیم ج ۴ صحیفہ ک شمارہ شاعر ۲۸)۔ نمونۂ کلام سے

چوں طائر تصویر بجائی نرسیدیم — سودیم درین راہ عبث بال و پری چند

بیطالعی نگر کہ بگوش تو رہ نیافت — با آنکہ نالہ ہای من از آسمان گذشت

زہجر مردم و گو مید کہ یار می آید — بکار من کہ نیاید چہ کار می آید — بود فیضی دگر در عالم از خود رمیدنہا

بر سا از خویش دعا کن در بہشت آرمیدنہا ÷ من و از غیر قربت تو باغ من ملامت — من و پیوستن یار تو و از من رمیدنہا۔ [1] سفینۂ ہندی ص ۹۷ [2] ابراہیم خان، علی مردان خان کا بیٹا تھا۔ علی مردان خان شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں ۱۰۵۲ ہجری میں کشمیر کا گورنر تھا۔ ابراہیم خان کشمیر میں چار بار اس عہدے پر فائز رہا۔ تین بار اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں یعنی ۱۰۷۲ھ میں ڈیڑھ سال تک، ۱۰۸۹ھ میں آٹھ سال تک اور ۱۱۱۳ھ میں پانچ سال اور چند مہینوں تک۔ اور ایک بار عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم کے عہد سلطنت میں ۱۱۲۱ھ میں صرف تین مہینوں تک۔ کشمیر یوں کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھنے کی بنا پر اورنگ زیب نے اسے دو بار اس عہدے سے برطرف کیا (۱۰۷۸ھ میں اور ۱۰۹۷ھ

میں) الغرض عدل و انصاف سے کام لینے کی وجہ سے کشمیر میں نیکنامی حاصل کی۔ (ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۲ ص ۵۳۲ تا ۵۴۸ و واقعات کشمیر ص ۱۶۳ تا ۲۱۱) [3] صحف ابراہیم صحیفہ ج شمارہ شاعر ۵۹ صبح گلشن ص ۱۱۰

خان موصوف کی مدح میں جویاؔ نے قصیدے لکھے ہیں۔

—— جویاؔ شیعہ مذہب تھا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ائمہ معصومین کی ستائش میں قصائد لکھے ہیں۔ واقعات کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جویاؔ نے ایک سنی عالم کی موت پر یہ شعر شوخی سے کہا تھا۔

بر سرش گو باد گرز آہنین   بر تنش نار جہنم نور باد!

ایک سنی شاعر نے بعد میں جویاؔ کی وفات پر اس شوخی کا جواب شوخی سے ہی یوں لکھا

رافضی تاریخ جویا بست و مفتش کہ بود   چونکہ گز کردند او را گشت تاریخش درست ۱؎

جویاؔ نے ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی ۲؎ اس کا ایک کلیات باقی رہ گیا ہے جو بقول صاحب صحف ابراہیم آٹھ ہزار ۳؎ اور سفینۂ ہندی ۴؎ کے بیان کے مطابق سات ہزار شعر پر مشتمل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) کے فارسی شعبہ کے پروفیسر، ڈاکٹر محمد باقر نے جویاؔ کا کلیات چھاپ دیا ہے اور اسے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

دیباچہ (فارسی نثر میں)۔ قصائد، حمد و نعت و مناقب۔ مثنویات، قطعات، متفرقات، غزلیات، رقعات (نثر میں) دیباچہ مرقع۔ دیباچہ بر دیوان صائب۔ دیباچہ سفینۂ ۵؎

تسکین کے بارے میں مؤلف سفینۂ خوشگو نے لکھا ہے ۶؎

"نام او میرزا فتح علی، برادر کامران بیگ گویا و داراب بیگ جویا بودہ کہ در این نسخہ ذکر احوال ہر یک از ایشان بجای خود خواہد آمد۔ بہر حال میرزا فتح علی تسکین مشق درست داشتہ۔ در عین جوانی بعہد عالمگیر از کشمکش روزگار تسکین یافت۔ نمونۂ شعر

شبی کہ عارض او را بخواب می بینیم   ستارہ مشیمم آفتاب می بینیم!

بکیش حق پرستان کفر از پندار می باشد   رگ گردن میان اہل دل زنار می باشد"

—— ملاحظہ ہو سفینۂ خوشگو ص ۸۰

۱؎ واقعات کشمیر ص ۲۰۶   ۲؎ صاحب صحف ابراہیم نے لکھا ہے "بہران سخن را در کنار خود پروردہ بود تاریخ وفات او سخن پرور بود؛" ۳؎ صحف ابراہیم صحیفہ ج شمارہ شاعر ۷۵؛

۴؎ سفینۂ ہندی ص ۹۷ نیز ملاحظہ ہو: دانشمندان آذربایجان ص ۱۰۱-۱۰۲؛

۵؎ کلیات جویا تبریزی باہتمام ڈاکٹر محمد باقر چھاپ پنجاب یونیورسٹی پاکستان (۱۳۴۷ھ شمسی)

تذکرہ نویسوں نے جویا کی شاعری کو بہت سراہا ہے اور سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ جویا ایک عمدہ اور اونچے درجے کا معنی آفرین شاعر تھا۔

مؤلف واقعات کشمیر خواجہ محمد اعظم دیدمری کہتا ہے:

"صاحب سخن و معنی یاب بود ... ... واز شعرای عہد خود امتیاز داشت و صاحب دیوان فصاحت بیان است ... ...[1]"

صاحب تاریخ حسن پیرزادہ حسن شاہ کھویہامی کا بیان ہے:

"میرزا داراب جویا پسر ملا ساری سخندان و معنی رس بود ... ...[2]"

ریحانۃ الادب کے مؤلف محمد علی تبریزی نے لکھا ہے:

"مطبوع طبع ارباب ذوق بودہ ... ...[3]"

صاحب سفینۂ خوشگو بندرابن داس خوشگو کا خیال ہے:

"صاحب سخن عالی ہمت بودہ ... ... استاد فن خوشخیال بود و پختہ گوست[4]"

احمد علی ہاشمی صاحب مخزن الغرائب نے لکھا ہے:

"شاعر بانام است ... ...[5]"

ابراہیم علی خان مؤلف صحف ابراہیم کا کہنا ہے:

"... ازمشاہیر شعرای عہد اورنگ زیب عالمگیر است ... ... در تلاش معنی سعی رسا داشت ... ...[6]"

میر حسین دوست سنبھلی صاحب تذکرۂ حسینی لکھتا ہے:

"طوطی گویا میرزا داراب جویا، صاحب طبع سلیم بودہ است ...[7]"

سید علی حسن خان صاحب صبح گلشن کا بیان ہے:

"بعد غنی کشمیری اوستاد مسلم الثبوت سخن سنجان آن دیار (کشمیر) بودہ ...[8]"

ان بیانات سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جویا نے ایک نامور شاعر کی حیثیت میں شہرت پائی

---

[1] واقعات کشمیر ص ۲۰۷ ؛ [2] تاریخ حسن ص ۲۶ [3] ریحانۃ الادب ج ا ص ۲۹۳ ؛ [4] سفینۂ خوشگو ص ۹۷ [5] مخزن الغرائب ج ا ص ۸۰ [6] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ ج شمارہ شاعر ۷۵ ؛ [7] تذکرہ حسینی ص ۸۷ ؛ [8] صبح گلشن ص ۱۱۰ ؛

تھی۔ جویا کی عالمگیری عہد کے دو معروف شاعر اشرف مازندرانی[1] اور ملا تجلی[2] کے ساتھ جو ایران سے ہندوستان آئے تھے اور کشمیر میں متعین مغلیہ گورنر ابراہیم خان کے دور حکومت میں سیر و سیاحت کی غرض سے کشمیر میں کچھ عرصہ تک رہے، مصاحبت[3] تھی۔ جویا نے مسلماً ان دونوں ایرانی شاعروں کی صحبت سے بھی استفادہ [illegible] کر کے اپنے فن شعر و سخن کو جلا دی ہو گی اور مضامین کے تازہ پن اور بیان کی لطافت کا جو پہلو جویا کے کلام میں کہیں کہیں غالب ہے ممکن ہے ان ہی اُستادان فن کی فیض صحبت کا نتیجہ ہو۔

جویا نے فن شعر میں میرزا صائب تبریزی کا تتبع کیا ہے اور اُن کی توصیف میں کہا ہے

صائب ز سخن بہرہ نامی کہ تراست ... باشد شائستہ تو نامی کہ تراست

نتواند ادا کرد زبان تحسین ... حق نمک حسن کلامی کہ تراست

---

[1] ملا محمد سعید اشرف مازندرانی، مولانا محمد صالح مازندرانی کے فرزند تھے۔ عالمگیر کے عہد میں ایران سے ہندوستان آئے اور عالمگیر کی بیٹی زیب النسا بیگم کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اشرف ایک معنی آفرین اور خوش خیال شاعر تھے اور اکثر ایہام گوئی کی صنعت کو برتتے تھے۔ اور متاخرین شعرا کی تمثیل تشبیہات، محاورات و اصطلاحات کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ لطیف و نازک طبع شاعر تھے تذکرۂ نصر آبادی کے مؤلف میرزا محمد طاہر نصر آبادی کے بقول ملا اشرف فن شعر کے علاوہ معما گوئی میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے نمونۂ کلام ؎

اشکی کہ راز عشق بگوید فشاندنی است ... طفلی کہ خوش محاورہ افتد نماندنی است

از غم افلاس او قاتم بہ بے ہوشی گذشت ... چون چراغ مفلسان عمرم بخاموشی گذشت

تا سحر سیری مہتاب جمالش بودم! ... جامۂ صبر کتان بود نمی دانستم!

[2] ملا علی رضا تجلی کمال الدین حسین نامی ایک عالم و فاضل آدمی کا بیٹا تھا۔ تعلیم سے فراغت پا کر ایران سے ہندوستان پہنچا اور علی مردان خان کے بیٹے ابراہیم خان کا اتالیق مقرر ہوا۔ ہفت ہزاری کا منصب پایا اور امیر الامرا کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس کے بعد واپس اصفہان گیا اور وہاں شاہ سلیمان صفوی کے دربار سے ۱۰۸۳ھ میں وابستہ ہو گیا۔ معنی بند، بلند طبع اور فکر رسا رکھنے والا شاعر تھا۔ گیارہ سو ہجری میں وفات پائی۔ مثنوی معراج الخیال اسکی معروف تصانیف میں سے ہے۔

نمونۂ کلام ؎ تو کشتی بادہ و تجلی آہ ... آتش اینجا بلند و دود اینجا ؛ تسکین دہم بو ہدو لبی اضطراب راہ مانند تشنہ ای کہ ببیند سراب راہ ؛ [3] واقعات کشمیر ص ۲۰۷ ؛

جویا کے کلام میں فصاحت اور روانی پائی جاتی ہے۔ مضامین کا تنوع بھی ہے اور لطافت بیان بھی۔ مثلاً چند یہ شعر ملاحظہ ہوں ؎

اسیر سادہ دلیہای زاہدم جویا! | غم زمانہ بخورد و شراب ناب نخورد
گر بگذشت دل آوارہ ناشاد ازین صحرا | کہ ہمچون آہ درد آلود نیز و باد ازین صحرا
نہ ہمین لالہ زداغت رہ صحرا بگرفت | تا تو از باغ شدی خاک نشین گشت چمن
امروز نگین آن لب لعل | در کشور حسن نام دارد!
کمر بر خواری ارباب ہمت بستہ چرخ دون | باب روی مردان روز و شب این آسیا گردد
ماہ نو امروز اگر با ابروش درہمسریست | ہفتہ دیگر تماشا کن سپر میافگند!
چو میدیدم دلش را مایل بے تابی عاشق | بانگ جور او دانستہ صد فریاد میکردم
مست و بیخود شوخ من افتادہ است | بر زمین ہمچون چمن افتادہ است
سر و کار دل دیوانہ ام افتاد باطفلی | کہ ہر جا نالہ بر میدارد این، آن سنگ بر دارد
سخن چو شیرہ رُہبان سالہا چکید زلبم | بانیکہ لعل لبت را میکدہ ام امشب
از آتش سودای تو چون کرم شب افروز | ہر شام چراغ خود و پروانہ خویشم

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے جویا کے کلام کی خصوصیات کے ضمن میں جویا کے مجازی و استعاری ترکیبات کے استعمال اور تمثیل برتنے کا ذکر کیا ہے[1]۔ چونکہ اس قسم کی ترکیبوں کا استعمال اُس زمانے کے عام مذاق سے میل کھاتا تھا اسلئے ایسی ترکیبات کا استعمال کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں موجود ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ جویا نے ان ترکیبات کو اس طرح سے برتا ہے کہ ان کے بھاری بوجھ کے نیچے شعر کا مضمون پامال نہیں ہو جاتا۔ یہ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

تخم اشکی کہ ز درد تو فشاندیم بخاک | نخل آہی شدہ از سینۂ صحرا برخاست
در خیالت برہ دیدہ و دل لیکہ دو دید | نگہ از چشم ترم آبلہ برپا برخاست
ملاحت، از نمک پروردہ ہای اوست میدانم | تبسم، خانہ زاد آن لب کم گوست میدانم
قیامت، دوش بر دوش خرام سرو آزادش | رعونت، سایہ پرورد نہال اوست میدانم

---

[1] گنج سخن تالیف ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ج ۳ ص ۱۱۹۔

غبادہ ہا دُور از خراشش سینہ چاک افتادہ اند　　کام یاب از پا بیوس او لب پاست ولبس

جویا نے تازہ و بدیع مضامین بھی باندھے ہیں اور بڑی نازک خیالی کے ساتھ باندھے ہیں ؎

پرس حال دل تیرہ ام کہ از دم صبح　　کدام روز کہ این آئینہ غبار نداشت

باز ماندہ ز کار قطرہ زدن!　　لبسکہ اشکم ز بی دوید ترا!

خیال غنچۂ لعلی چہ ہوشم در سراست امشب　　میم افسردہ یا قوت گل در ساغر است امشب

جیسا اوپر بیان ہوا ترکیبات و استعارات کا بھی جویا نے اپنے زمانے کے مذاق کے تقاضا کے مطابق استعمال کیا ہے اور اس پر پوری قوت صرف کی ہے۔ کہیں کہیں ان میں تنوع بھی پایا جاتا ہے ؎

ہندوی چشم شوخ تو از سرخی خمار　　امروز رنگ میکدہ در سومنات ریخت

چشم بد دور از ان آتش رخسار کہ دوش　　سوخت جویا چو سپند از غم او کوکب ما

فتاد تا دلم آن مست شوخ و شنگ شکست　　لبشیشہ خانۂ رنگم ہزار رنگ شکست

لیکن ایک غزل گو شاعر کے کلام میں ترکیبات و استعارات کی خصوصیات کا ہونا ہی کافی نہیں۔

ڈاکٹر محمد باقر نے لکھا ہے:

"اگرچہ جویا در تمام فنون سخن طبع آزمائی کردہ است ولی اختصاص و اہمیت او در غزل سرائی است۔" اس کے بعد ان خصائص کو مضمون بدیع و تازہ، استعارات و ترکیبات مجاز، کثرت استعمال امثال و اصطلاحات، استعمال صنعت مراعاۃ النظیر اور تمثیل و ارسال المثل کے عنوانات میں تقسیم بندی کی ہے۔[1]

جیسا میں نے جویا کی غزلوں میں سے انتخاب کر کے اُس کے محاسن شعری کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے اور گاہ لگاہ اُس کے لطافت بیان یا مضامین کی تازگی کی طرف بھی ذہن متوجہ ہو جاتا ہے لیکن مجموعی طور پر جویا کی غزلوں کا دقت سے مطالعہ کرنے کے بعد غزل کے لازمی اجزا یعنی تاثیر و شیرینی ادا، شگفتگی اور قدرت بیان نیز جدت

---

[1] مقدمہ کلیات جویا تبریزی باہتمام ڈاکٹر محمد باقر

ادا کے عناصر سے جویاؔ کا کلام عاری ہے۔ اکثر و بیشتر جویاؔ نے اپنے کلام اور بالخصوص غزل میں تراکیب و استعارات کو لانے اور الفاظ کی باہم پیوستگی کی طرف اپنی تمام تر توجہ کو مبذول کیا ہے۔ اگرچہ اول اول ان ترکیبات کے استعمال کا ملاحظہ کرنے سے ان کے کلام کی داد دئے بغیر نہیں رہا جا سکتا لیکن بعد میں کثرت استعمال سے کلام کی خوبصورتی، حسن اور رنگینی میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بعد میں جویاؔ ایک کاریگر کی طرح الفاظ کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح کی طلسم بندی سے کمزور بنیاد کو استوار بنانے میں کوشاں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جویاؔ کی کلیات میں ایسے اشعار کی کثرت ہے جن کو پڑھ کر آدمی کی توجہ الفاظ کے ظاہری حسن کی طرف مبذول ہو جاتی ہے شعر کے باطن کی طرف نہیں۔ گویا جویاؔ نے شعر سازی کی ہے اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں ایسا الجھا ہے کہ نکل نہ سکا۔ اسی لئے ایک ہی چیز پر پوری قوت صرف کر کے وہ تھک جاتا ہے اور کسی نئی چیز کی اختراع نہیں کر پاتا اور اس کے نتیجے میں اشعار میں سستی اور ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہوں:

نگاہ او چہ خونریز است از پہلوی اثر گانش — چو ماہی با خود این خنجر ہزاران نیشتر دارد

کبود از بوسہ امشب لعل آن رشک پری دیدم — گل شفتالوی این باغ را نیلوفری دیدم

ہمچو آن عینک کہ در جزوی فراموشش کنند — کردم از شوقش نہان در نامہ چشم خویش را

در گرد کلفتم دل بے تاب می طپید! — بے بادہ ہمچو ماہی بے تاب می طپید!

خوش است بوسہ بر آن لعل خط دمیدہ خوش (انسب) — بلی حلاوت شفتالوی رسیدہ خوش است

خامہ ام گاہی باو گر نامہ ایما انشا کند — چون زبان کر دکان در سالہا لیش واکند

برق بیتابیم را کہسار غم جولانگہ است — دل طپیدن شہپر عنقا می قاف دیگر است

موسم جوش گل و نسترن است — لالہ تر یا کی سیر چمن است

غزل کا تاثر، سوز، سادگی اور شیرینی جویاؔ کی غزلوں میں مفقود ہے اور چونکہ یہ خاصیتیں قلبی واردات کا نتیجہ ہوتی ہیں اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ جویاؔ کے شعر دماغی کاوشوں کی پیداوار ہے۔ جویاؔ کے اشعار دماغ سے نکلے ہیں، دل سے نہیں۔

مُلّا ساطع کشمیری

عبدالحکیم نام اور مُلّا غالب کا بیٹا تھا۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، جو اُس کا ہمعصر اور بیس[۱] سال تک اُس کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا، ساطع کے بارے میں لکھتا ہے کہ طالب علم ہونے کی وجہ سے اُسے شعر سے رغبت تھی[۲]۔ شعر گوئی کے آغاز میں لالہ ملک شہید[۳] سے اصلاح پاتا تھا اور شہید نے اُس کے جودت طبع اور شعری استعداد کو بھانپ کر اُسے داراب بیگ جویا کے پاس بھیج دیا۔ ساطع جویا کے شاگردوں کے حلقے میں شامل ہوا اور اس طرح سے وہ درباری اُمرا کی مصاحبت میں بھی رہنے لگا۔ آخر کار پشاور چلا گیا اور اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم جو ان دنوں پشاور کے صوبیدار تھے، کے دربار سے

۱؎ تذکرہ روزِ روشن میں لکھا ہے کہ ساطع کا نام مُلّا ابوالحسن ابن مُلّا علی تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری صاحبِ واقعاتِ کشمیر نے جو ساطع کا ہمعصر اور بیس سال تک اُس کا دوست رہا ہے ساطع کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اپنی تالیف میں جو کچھ مختصر طور پر لکھا ہے قابلِ اعتبار ہے۔ اسی بنا پر ساطع کا نام عبدالحکیم اور باپ کا نام مُلّا غالب، جیسا کہ خواجہ محمد اعظم نے بیان کیا ہے، یقیناً درست ہے ملاحظہ ہو واقعاتِ کشمیر ص ۲۴۸ تا ۲۵۰۔ ۲؎ واقعاتِ کشمیر ص ۲۴۸۔ ۳؎ لالہ ملک شہید کشمیر کے ایک مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تاریخ گوئی میں غیر معمولی مہارت پائی تھی اور کشمیر کے تذکرہ نگاروں کے بقول "درین فن سحر کاری میکرد"۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحؒ کی مدح میں گیارہ سو شعر لکھے ہیں اور ہر شعر سے حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحؒ کی ولادت، اُن کی عمر اور اُن کے سالِ وفات کی تاریخ نکلتی ہے (ملاحظہ ہو۔ تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۷)۔ لیکن اس فن کو رفتہ رفتہ بازاری بنا دیا کیونکہ ہر کس و ناکس کی تاریخ وفات، و ولادت لکھنا اُن کا پیشہ بن گیا تھا (واقعاتِ کشمیر ص ۲۰۸)۔ البتہ ایک برجستہ شاعر بھی تھے۔ وہ مجلس فتنہ ابراہیم خان کو کمال خوبی سے منظوم کیا ہے۔ گیارہ اوراق کا ردیف تی، آن اور د پر مشتمل ایک نامکمل دیوان حکومت کشمیر کے ادارۂ تحقیق و اشاعت میں بشمارہ ۱۶۶۹ موجود ہے نمونۂ کلام ؎

لام قدمن با الف قد تو لا شد ! — یعنی کہ وجودم بوصال تو فنا شد

در آتشم نشستہ خموش از فراق دوست — چون غنچہ ہای لالہ مرا سرمہ در گلوست

شہید از کف مدہ دامان خون آلود شاہد را — کہ روز حشر دیگر شاہدی پیدا نخواہد شد

سے وابستہ ہو گیا۔ راستے میں ملّا محمد سعید اشرف مازندرانی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوا اور اپنا کلام اُنھیں سنا کر اُن کے مشوروں اور اصلاح سے بھی استفادہ کیا۔ جب شاہ عالم تخت نشین ہوئے (۱۱۱۸ھ - ۱۱۲۴ھ) ملّا ساطع درباری شاعر کی حیثیت سے دہلی پہنچا اور شاہ عالم کی مدح میں قصیدے لکھے۔ دہلی کے دربار سے وابستہ ہونے سے پہلے ساطع شاہی فوجوں کے میر آتش اسلام خان کی تعریف میں مدحیہ قصائد لکھتا تھا۔ اور تذکرہ روز روشن[۱] اور تذکرہ صحف ابراہیم[۲] کے مولفین کے بقول اسلام خان ہی کی وساطت سے ساطع، دہلی کے شاہی دربار میں پہنچا۔ ساطع نے اسلام خان موصوف کے نام پر گلشن اسلام نامی کتاب فارسی نثر میں لکھی ہے[۳]

شاہ عالم کی وفات (۱۱۲۴ھ) اور اُس کے بیٹے جہاندار شاہ کے قتل ہونے کے بعد (۱۱۲۴ھ) جو نو ماہ سے زیادہ عرصے تک حکومت نہ کر سکا، ساطع، فرخ سیر کے دربار سے، جو جہاندار شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، صمصام الدولہ[۴] کی وساطت سے وابستہ ہو گیا۔ فرخ سیر کی مدح میں قصیدے لکھے اور بقول خواجہ محمد اعظم مولف واقعات کشمیر، فرخ سیر (۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۱ھ) کے دربار میں ساطع نے کافی تقرب و احترام حاصل کیا۔ سادات بارہہ[۵] کے ہاتھوں فرخ سیر کے قتل ہونے کے بعد (۱۱۳۱ھ) ساطع کشمیر لوٹا اور صمصام الدولہ نے جو زمین اُسے دی تھی اُس کے محصول سے

---

[۱] روز روشن ص ۲۷۹ [۲] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷ [۳] ایضاً صحف ابراہیم:

[۴] صمصام الدولہ کا نام خواجہ عاصم تھا۔ بچپن سے اُس کی فرخ سیر کے ساتھ دوستی تھی۔ جہاندار شاہ کے قتل ہونے کے بعد جب فرخ سیر تخت نشین ہوا تو فرخ سیر نے اُسے صمصام الدولہ خان دوران کا خطاب دے کر اُسے رئیس دربار اور اپنا ایک صاحب اقتدار درباری امیر بنا دیا۔ صمصام الدولہ اور میر جملہ نامی ایک اور درباری امیر کے نامصلحت اندیش مشوروں سے بالآخر فرخ سیر، سادات بارہہ یا سید برادران کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ملاحظہ ہو: کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۴؛ شارٹ ہسٹری آف انڈیا تالیف اے سی چیٹر جی؛

[۵] سادات بارہہ، قرون وسطیٰ میں ہندوستان آئے اور میرٹھ اور سہارن پور کی حکومت حاصل کی۔ بارہہ، دہلی کے نزدیک ایک گاؤں کا نام تھا جسے انھوں نے آباد کیا اور وہیں رہنے لگے۔ سادات مذکور شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت سے شجاعت و جوانمردی میں معروف و ممتاز تھے۔ فرخ سیر کے عہد میں سادات بارہہ کے دو بھائی امیر الامرا سید حسن علی خان اور قطب الملک سید عبد اللہ خان ملکی سیاست میں جزو و کل کا مالک بن گئے اور "برادران" یا "سادات" کے نام سے معروف ہوئے۔ سلطنت کا سارا انتظام اُن ہی کے دست اختیار میں تھا اور ان ہی دو بھائیوں نے بالآخر فرخ سیر کو ۱۱۳۱ھ قتل کیا۔ ملاحظہ ہو منتخب اللباب تالیف خافی خان ج ۲ ص ۸۱۱ - ۸۱۵؛

خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی اور شعر و شاعری کے فن کو جاری رکھا۔[1]
ساطع ایک خوش مشرب، خوش صحبت، خوش خلق اور خوش طبع آدمی تھا۔ ۱۱۴۳ھ میں
وفات پائی۔[2] ساطع کی نثری تصنیفات کے بارے میں مؤلف صحف ابراہیم نے شاہ عالم کی فوج
کے میر آتش اسلام خان کے نام پر گلشن السلام نامی فارسی نثر میں لکھی ہوئی کتاب کا ذکر کیا ہے[3]
اور برہان قاطع سے انتخاب کرکے حجت ساطع نامی فارسی نثر کی ایک اور کتاب کو بھی ساطع کی

---

[1] صحف ابراہیم کے مؤلف نے ساطع کا سال وفات ۱۱۵۰ اور صاحب تذکرہ روز روشن نے ۱۱۵۶ھ
بتایا ہے۔ لیکن یہ دونوں تاریخ غلط ہیں کیونکہ ساطع کی وفات اُس کے ہمعصر اور ہم سالہ قدیمی دوست
خواجہ محمد اعظم دیدہ مری صاحب واقعات کشمیر کی زندگی میں واقع ہوئی اور موخر الذکر نے اُسکی وفات
پر جو تاریخ لکھی ہے اُس سے ۱۱۴۳ھ نکلتا ہے جو صحیح ہے۔ خواجہ اعظم نے ساطع کے بارے میں لکھا
ہے "بیست و یک رمضان سال ہزار و یکصد و چہل و سہ ہجری رحلت نمود و عالمی را از خویش و بیگانہ
گرفتار تأسف و تلہف فرمود بتخصیص راقم حروف اکہ بیست سال بفرط محبت و اتحاد مجلس آرای
صحبت و بادہ پیمای الفت بذکر اشعار آبدار و طرح قافیہ ہای بداہت شعار چہ در حضور و غیبت بزم
لطف طبع را راحت افزا ماحاصل بود، قرینہ درد فراق گذاشت و این تاریخ را راقم حروف عماً لما
بر صفحہ عرض نگاشت:

مہر اوج سخن وری ساطع!	از صفا ذہن انورش لامع
رایت عالی فصاحت را!	بود رای متین او رافع!
صحبتش وقت نکتہ پیرائی	لیفقیر و غنی لسبی رافع!
از علو فطانتش استاد!	بود جویای اوزہی طالع!
بزم آرای شعر شد یک چند	آن باصناف معرفت جامع
بردہ جسمش ارچہ فانی گشت	رُوح قدسیش شد بحق راجع
گفت اعظم لسبال تاریخش	نور ایمان بمرقدش ساطع"

ملاحظہ ہو واقعات کشمیر ص ۲۸۸ - ۲۸۹

[2] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷؛

[3] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷؛

تصنیف بتایا ہے[1] لیکن کشمیر میں لکھے گئے تذکروں میں ان کتابوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شعری تصنیفات میں ساطع کا کلیات جس میں حمد بدرگاہ ایزدی، قصاید اور غزلیات ہیں، باقی رہا ہے اور جنگ فیلاں نامی ایک مثنوی بھی اُس کی موجود ہے۔ جو کلیات میں شامل ہے۔ مخزن الغرائب کے مؤلف کے بقول ملا ساطع کے اشعار کی تعداد "قریب چہار و پنجہزار"[3] اور صحف ابراہیم کے مؤلف کے بیان کے مطابق صرف تین ہزار ہے۔

تذکرہ نگاروں نے ملا ساطع کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔ نگارستان سخن میں آیا ہے:

"ملا ساطع کشمیری است و در اقلیم نظمش رتبہ امیری..."[4]

صحف ابراہیم میں درج ہے:

"... نظمش خوش و نثرش دلکش ..."[5]

مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے:

"فقیر دیوان او را دیدہ ــــ چندان مزہ ندارد ..."[6]

صاحب واقعات کشمیر نے لکھا ہے ؎

"چون طبع موزون داشت میل شعر بر طبعش غالب شد ... در اندک زمانی ترقی نمایان کرد و بر اقران فائق شد ... اشعار آبدارش ہم بیاضی است ..."[7]

مؤلف تاریخ حسن کہتا ہے ؎

"چون میل شعر بر طبع او غالب شد اولاً از لالہ ملک شہید اصلاح میگرفت۔ ثانیاً از میرزا داراب جویا استفادہ نمودہ بر اقران فائق شد ... بخدمت

---

[1] مؤلف روز روشن نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ برہان قاطع محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان کی تالیف ہے (سال ۱۰۶۲ھ)

[2] البتہ مؤلف تاریخ حسن نے ساطع کی نثر کے بارے میں یہ ضرور لکھا ہے کہ "در نثر نویسی ہم بے نظیر وقت بود۔" لیکن نثری تصنیفات کا کوئی نام نہیں لیا ہے۔ [3] مخزن الغرائب ج ۲ ص ۱۸۰ ؛ [4] نگارستان سخن تالیف سید نور الحسن ص ۳۷ [5] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷ ؛ [6] مخزن الغرائب ج ۲ ص ۱۸۰ [7] واقعات کشمیر ص ۲۴۸ ؛

شاہ عالم بہادر باریاب حضور گشتہ بمدارج اعلیٰ ارتقا نمود و بعد انتقال او در دربار فرخ سیر بمراتب عالیہ سرفرازی یافت و بعد شہادت او بوطن مراجعت کردہ زندگانی خود در کامرانی و شعر خوانی بسر برد ...۵ا"

ساطع کے کلام میں اسلوب کے لحاظ سے اُس زمانے کے مروجہ مذاق شعری کے مقابلے میں انحراف پایا جاتا ہے۔ اس نے اپنی لطافت طبع و ذہن رسا سے کلام میں سادگی بیان، اور جدت اسلوب سے کام لیا ہے اور اکثر پرانے مضامین کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے اور ان مضامین کو ایسے باندھا ہے گویا خاص اُسی کے ہو گئے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں تخیل اور اسلوب کا تنوع دیکھئے:

از تنگی آن دہن چگویم! گنجائش گفتگو ندارد
دو عالم بر شکوہ گبریای عشق تنگ آمد جہانی دیگر ار باشد توان از خویش بیرون شد
ندانم نقد دل از من کہ دزدید، اینقدر دانم کہ در درگاہ حسنش شانہ آویز است گیسوئی
طرز چشم تو تغافل نگہیست خلق کج لازم بیمار است

مرا عشق مجازی از حقیقت کی کند غافل دہان غنچہ ہا بوسم کز و بوی تو می آید
شکایت ز جور یار نگاری ندارم شدم خاک و در دل غباری ندارم
مانند زخم دوختہ بر وضع روزگار کردیم ضبط خندۂ بی اختیار خویش
آن دہان تنگ جای یک تبسم وا نہیست پستہ با او خویش را سنجیدہ، جای خندہ است

ساطع وطن سے باہر جا کر زمانے کے انقلابات اور اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کی وجہ سے قتل و غارت اور کشت و خون کا چشم دید گواہ رہا تھا۔ اس سے اُس کے مشاہدہ اور متانت میں وسعت و استواری پیدا ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ موثر تر انداز میں دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

اعتمادی نیست الحق طائر اقبال را این کبوتر ہر زمان مشتاق بام دیگر است
درچنین عہدیکہ اوضاع جہانی نادیدنی است دیدۂ تصویر اگر باز است جای حیرت است

مناسب اور ہم آہنگ کلمات کا بعض غزلوں میں استعمال کر کے انہیں موسیقی کے نزدیکتر

۵ا تاریخ حسن ج ۴ ص ۳۵۔

کر دیا ہے۔

زفیض ساغر بزم مستان شگفتہ رو ئی چو گل بہ بستان
شواز تبسم مشواز تکلم گھی گل افشان گھی دُر افشان
ترا چو لیلی ہزار مجنون خراب چشمت غزال ہامون!
ز رشک بوی تو مشک شد خون بدشت رفتی چو کا کل افشان!

ساطع میں تشبیہات کی تازگی بھی پائی جاتی ہے ۔

خط مشکین کہ ازان عارض زیبا برخاست ۔۔۔ دود آہیست کہ از آتش دلہا برخاست
شفقی گشت ہوا تا بگلستان رفتی ۔۔۔ لیک از شرم تو رنگ از رخ گلہا برخاست
سبزہ بنود لبسر تربت مجنون کز خاک ۔۔۔ مژہ اش باز بامید تمنا برخاست

اور مضمون آفرینی بھی۔ ساطع نے مضمون آفرینی کو واقعیت نگاری سے ملا کر ایک نئی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

ترا غرور لبصورت، مرا بمعنی خویش ۔۔۔ کمال حسن ترا، و مراست حسن کمال
مرا از شمع شد این نکتہ روشن ۔۔۔ کہ گرمی ہای اہل مردم زبانی است
لعبد مردن نرود مہر تو از ما کہ کفن ۔۔۔ آتش شوق شہیدان ترا دامان است

جن اشعار میں تصوف کا پہلو نمایاں ہے اُن میں فقط مضمون آرائی نہیں بلکہ سادگی و تاثیر بھی پائی جاتی ہے ۔

مفتم نہ زجام عشق مستی دادند ۔۔۔ کاین نیستیم بنقد ہستی دادند!
سرمایہ ہر آنچہ بود دادم از دست ۔۔۔ ارزان نہ متاع تنگ دستی دادند!
شراب عشق تازہ اولین جوش ۔۔۔ مرا شد نشا ئین از دل فراموش
ہمہ شب روز ہی کہ بر پای تو سر گرم نیاز افتم ۔۔۔ دم برخاستن چندان روم از خود کہ باز افتم

لیکن ساطع نے بھی اپنی سبک نگارش میں انفرادیت پیدا کرنے کے باوجود مروجہ مذاق سخن کے مطابق لفظی صنعت گری اور محاورہ بیانی کے رشتے کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ بھی ان خارزاروں میں اُلجھا رہا اور دل و جگر کو خون کرنے کی بجائے بقول خود

می گلگون بدل طرب بہار عشرت اندازد ۔۔۔ چو خون شد جگر معنی امیا رنگین می شود ہیلا

اور فکر کے خون کرنے کی وجہ سے ہی مجموعی طور پر اُس کی غزلوں میں تاثر و تاثیر کا عنصر اُبھر نہ سکا۔ عشقیہ مضامین جہاں بھی باندھے ہیں۔ الفاظ کی صنعت گری کے سنگین بوجھ کے تلے مفہوم پامال ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ چند شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں ؎

عندلیبان را بود دو راز تو در گلزار ہا — ہمچو آتش در نیستان نالہ در منقار ہا

زہی زخمی است جوی خون روان از تیغ ادا — شہیدش کربلائی میکند دامان صحرا را

جان شیرین لب او خندہ بہا نستاند را — طمع بوس گدایان چہ زیاد از دہن است

میان ابروانت خال ہم سنجیدہ میگوید — کہ صید دل ز شاہین ترازوی تو می آید

دنیا و آخرت بریاضت کشان دہند — دارد کمان زچلہ نشینی دو خانہ را!

دہن تنگ تو گویا بگلستان خیال — غنچۂ باغ عدم در چمن امکان است

چون تہی دست بیازار جنون آمدہ ایم — نقد دانم شدہ سرمایۂ سودا اینجا

(باقی)

ڈاکٹر کے این پنڈت　　　　　　　　　　قسط نمبر (۲)

بیدل عظیم آبادی

(حصّہ دوم)　　(درویشوں کے ساتھ ملاقات)

شیخ کمال ۔ ان دنوں کچھ ایسے بزرگوں کے ساتھ بیدل کی ملاقات ہوئی جو اس کے خضرِ طریق اور رہنما بنے اور جن کے حضور سے اُس نے فیض حاصل کیا۔ ان میں شیخ کمال، شاہ ملوک، شاہ فاضل اور شاہ قاسم ہوالہی جیسے لوگ شامل ہیں۔ خوشگو کا کہنا ہے کہ میرزا کمال پہلا شخص ہے جس نے بیدل کے اشعار کی اصلاح کی۔ شیخ کمال اپنے وقت کا بڑا عالم اور سلسلۂ قادریہ کے مشایخ میں سے تھا اور بہار کے قصبہ رانی ساگر کا رہنے والا تھا۔ بیدل کا باپ بھی اس کے ساتھ خلوص رکھتا تھا اور علاوہ ازیں بیدل کا چچا یعنی میرزا قلندر بھی شیخ کمال کے ساتھ ہم خرقہ ہونے کی نسبت رکھتا تھا۔ میرزا کمال نے ہی بیدل کو شعر شاعری کی طرف راغب کیا اور جیسے کہ زیر بتایا گیا، بیدل نے چہار عنصر میں واضح طور سے لکھا ہے کہ وہ اپنے اشعار کی تصحیح اسی میرزا کمال سے کرواتا تھا۔ میرزا کمال پہلا شخص ہے جس کی بیدل نے اپنے چہار عنصر میں تعریف کی ہے۔ چنانچہ اس کے عارفانہ شعور اور صوفیانہ ذوق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "... ... شیخ کمال به وارستگی و بی نام و نشانی بسر می‌برد ... ... تارک عرش سایش از عمامهٔ نمائش ظہور بر (کذا فی الاصل) کلاہی پرداختہ و از ملبوسات تعین چون نبضِ صادق به ردای سفیدی ساختہ بود ... ... ہمیشہ چشمش نم آلود و سینہ اش پُر آہ بود۔ در ہدایت، کار با سادہ رویان می‌کرد، داشت و در ظاہر آنہا را با تعویذ و حرز لبوں خود متوجہ میگردانید و در حقیقت بدیں وسیلہ آنہا را براہِ راست ہدایت میکرد۔"

شیخ کمال سے حاصل کئے گئے فیض کے متعلق بیدل لکھتا ہے:-

شبنم از خورشید فیض عالم بالا شود　　　قطرہ گر دریا شود از جہت دریا شود

مایۂ رنگینی اندوز د زابر نو بہار　　تاکف خاکی چمن پرداز خوبی ہا شود!

شاہ ملوک: وہ بھی رانی ساگر (بہار) کا ایک مجذوب تھا۔ بیدل اپنے چچا کی وساطت سے اس کے محضر میں پہنچا۔ شاہ ملوک سر و پا برہنہ، شوریدہ و شیدا، ہمیشہ مجذوبوں اور جنون زدہ لوگوں کی طرح اپنے ساتھ باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ بیدل کو اشاروں، کنایوں سے سمجھاتا رہا کہ شاعری کی طرف مائل ہو جائے اور اپنے سینہ سے پرسوز نالہ نکالے۔ چنانچہ چہار عنصر (چاپ صفدری، بمبئی) میں اس کے متعلق بیدل نے لکھا ہے: "روزی فقیر سامع کلمات بیرنگی آیا آتش بود تا دریابد آن خمکدہ عالم اسرار از چہ کیف مترنم غلغلہ جوش است و آن قانون محفل حقیقت بہ چہ آہنگ محرک سلسلہ خروش ناگاہ بشارت نوای این زمزمہ اشا دریافت کہ ای ہوس انتظار رموز حقائق از دلیتان اعتبار وجود بحرف وصف صوتی پراگندہ قانع مباش ... ... تا ممکن است بہ مشق موزونی خامہ جہدی بر تراش وحتی میگوید کہ گوش برامین شوریدہ نہ نہد و آنچہ در خلال گفتار او موزون می یابد آن را سر مشق قریحت خویش قرار دہد۔" بیدل نے تین شبانہ روز (۳) کی باتوں کو بگوش ہوش سنا۔ اس کی عارفانہ اور مجذوبانہ باتوں کو جو بقول بیدل ہندوؤں کی اصطلاحات [یعنی اصطلاحات ویدانت] میں ادا کی گئی تھیں، بیدل نے چالیس اشعار کے قالب میں ڈال دیا، لیکن کلیات صفدری اور چہار عنصر میں کافی تلاش کے بعد یہ اشعار راقم کو دستیاب نہ ہو سکے۔

چہار عنصر میں بیدل نے لکھا ہے کہ جب میں نے شاہ ملوک کا ذکر شیخ کمال کے پاس کیا تو شیخ کو برہنہ شوریدوں کا وطیرہ پسند نہ آیا اور اس کو نفس انسانی کی کرامت کے منافی خیال کیا۔ اس نے لوگوں کو اس طائفہ کی پیروی سے منع کیا۔ لیکن بیدل نے ان دو متضاد عقیدوں کے بدلے اعتدال کو اختیار کیا۔ ان دونوں نغموں کو ایک ہی مضراب کی ضرب کا نتیجہ سمجھا اور ان دو دریاؤں کو ایک ہی منبع سے نکلتے پایا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے۔

"خواہ گرمی را آتش طبیعت، دانند خواہ آتش را لباس گرمی پوشانند، چون حاصل برہم زدن دو دست یک صدا است و نتیجہ تحریک دو لب یک ندا دماغ معنی سراغ از گردش این دو ساغر یک نشہ دوبالا گرداند و طبیعت حق مسائل بہ مطالعہ این دو نسخہ یک سبق بہ تکرار رساند۔" بہر حال بیدل نے اس مجذوب سے بہت معنوی استفادہ حاصل کیا اور اپنی

زبان کے شعلہ کی گرمی کو اس کی صحبت کی تاثیر سمجھا۔ چنانچہ ؎

بیدل چقدر بر تو نفس سوختہ اند   کاین شعلہ بیان کلامت آموختہ اند
ای شمع بر تو تو اندیشہ گداخت   گویا بگداز دلت افروختہ اند

شاہ فاضل: ایک اور مجذوب، جس کو بیدل نے شاہ فاضل کے نام سے یاد کیا ہے، تفسیر اور حدیث میں بڑی دسترس رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ مابعد الطبیعیات اور علم بیان میں بھی استادی کے درجہ کو پہنچ چکا تھا۔ اپنی نظم ونثر میں کئی جگہ بیدل نے اس کی تعریف کرتے ہوئے استادوں میں شمار کیا ہے۔ اس ضمن میں دو شعر چہار عنصر کے حوالہ سے پیش کئے جاتے ہیں :- "از دامگاہ انجمن وہم جستہ ای   بیرون کائنات چو عنقا نشستہ ای
دامن ز گرد الفت امکان فشاندہ ای   طرف کلاہ ز زنگ دو عالم شکستہ ای

غالباً شاہ فاضل نے بیدل کو شعر میں عرفانی مضامین لانے کی زیادہ ترغیب دی۔ ان کی ملاقات کا سال وثوق سے معلوم نہیں اتنا پتہ چلتا ہے کہ بیدل اپنے چچا میرزا قلندر کے ساتھ اس عارف کے حضور میں پہنچا۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ ملاقات سال ۱۰۶۴ سے لیکر ۱۰۷۵ ہجری کے درمیان واقع ہوئی ہو۔

شاہ قاسم ہوالہی: سب سے بڑا عارف جس نے بیدل کی شاعرانہ صلاحیت میں معنوی طور ترببت اور تاثیر کا حصہ ادا کیا، شاہ قاسم تھا۔ اس نے بیدل کو "تلامذہ الرحمن" کے زمرہ میں شامل کیا اور اس کی طبیعت کی موزونی کو "ذاتی" بتایا۔ بیدل اپنے ماموں میرزا ظریف کی رہنمائی سے اس بزرگ کی خدمت میں سال ۱۰۷۱ ہجری میں اڑیسہ میں مشرف ہوا۔ تین سال تک اسی رہنمائے حقیقت کے فیض سے مستفید ہوتا رہا اور اپنے ہی قول کے مطابق "در آن محفل قدم در عالم دیگر گذاشت و چمن ہا بر سر زد"۔ چنانکہ یہ شعر اس مطلب کی وضاحت کرتے ہیں :-

خاک بودیم از بہار جلوہ ای ساغر زدیم   دیگران گلچین شدند و ما چمن بر سر زدیم
غافلان از گفتگو رفتند تا موج حباب   ما چو غواص از تامل بر سر گوہر زدیم
ہمچو شمع آخر غبار ما بہ بیرنگی رسید   در ہمین محفل قدم در عالم دیگر زدیم

شاہ قاسم کے ساتھ پہلی ملاقات کا واقعہ دلچسپ ہے اور چہار عنصر میں بڑی تفصیل کے

ساتھ اس کا ذکر ہوا ہے لیکن ہم یہاں اسے اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ ایک دن بیدل میرزا ظریف کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے بیٹھا قرآن مجید کی تفسیر میں منہمک تھا۔ شاہ قاسم سے منسوب درویشوں میں سے ایک درویش سامنے آیا اور انہیں اس کی شاہ قاسم کے آنے کی خبر دی۔ وہ اٹھ کر شاہ قاسم کی طرف چل دئے۔ جب اس کے محضر میں پہنچ گئے، تو سب سے پہلا حرف جو شاہ قاسم کی زبان سے سنا یہ تھا۔ "الحمد اللہ ما و شما درین شہر باہم رسیدہ ایم فرصتہا مفت شوق است وصحبتہا غنیمت ذوق۔" اس کے بعد انہوں نے اسی آیت کی تفسیر شاہ قاسم سے پوچھی جس پر وہ تھوڑی دیر پہلے غور کر رہے تھے۔ شاہ قاسم نے اس قدر دقیق اور نادر نکات بیان کئے کہ میرزا ظریف باوجودیکہ تفسیر میں کافی تبحر رکھتا تھا، بے اختیار اس کے قدموں پر جا گرا اور کہا کہ میں نے چالیس برس تک مدرسہ کے علما و ثقات سے کسب علم کیا اور تفسیر میں تحقیق کی سند حاصل کی۔ اگر تفسیر اور کمال یہ ہیں جن کا ثبوت آپ دے رہے ہیں تو افسوس اس عمر پر ہے جو میں نے "بے تمیزی" کے کسب میں گزاری۔ بیدل بھی اس سید زادہ کے فضل و کمال اور جمال معنوی کا اس قدر فریفتہ ہوا کہ دیوانہ وار بول اٹھا ؎

قبلہ خوانم یا پیمبر یا خدا یا کعبہ است　　اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام

اس واقعہ کے بعد بیدل ہمیشہ شاہ قاسم کی مجلس میں حاضر ہو کر اس کی گرم گفتاری سے فیض یاب ہوا کرتا تھا۔ ایک دن شاہ قاسم کے بھائی میر عبد السلام نے بیدل کی تعریف کی اور ایک طرح کی سفارش بھی کی۔ شاہ قاسم نے تبسم کیا اور کہا "بیدل از کسانیست کہ در ازل با فیض حقیقت جوشیدہ و تا ابد احوال شان در تتق انوار غیب پوشیدہ باشد۔ باطن اسرار نبوت بہ تربیت وی می پردازد و حقیقت انوار ولایت آنہا را ہدایت می کند۔ ما از ہمدیگر استفادہ میکنیم و آنچہ بما ودیعت سپردہ اند بہ ہمدیگر میرسانیم۔" بیدل نے کہا ہے کہ شاہ قاسم کی باتوں سے سنائی کے گفتار کی بو آتی ہے۔ اپنی ذہنی تربیت میں شاہ قاسم کے اثر کی تعریف میں کہا ہے ؎

تا بہار زندگی دارد سر برگ نفس　　موبہ مویم آشیان سجدۂ تسلیم اوست
مرگ ہم زان آستان مشکل کہ سازد غافلم　　ہر قدر خاکم ہوا گیرد ہمان تعظیم اوست

باوجود غفلت از سازم نمی باید دوئی   گر رجا گر خوف آہنگ امید و بیم اوست
رنگ گل تا شوخی سنبل بہار اندوده است   آنچه از اندیشہ ام گل می کند تعلیم اوست

بیدؔل نے اس بزرگ کے ساتھ اپنے تعلقات کی جو تفصیل دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افکار اور عقاید کی بنیاد اسی شاہ قاسم کے صوفیانہ افکار پر مبنی ہے۔
ایک بار بیدؔل کساری نام کے گاؤں میں سخت بیمار ہوا۔ اسی حال میں ایک رات شاہ قاسم کو خواب میں اس کے لئے شفا کی دعا مانگتے دیکھا بلکہ اسے صحت یابی کی خوشخبری بھی سنائی۔ صبح جب بیدل اُٹھا تو کافی حد تک افاقہ ہو پایا تھا۔ بہر حال بیدؔل تین سال تک اس بزرگوار سے کسبِ فیض کرتا رہا اور اس کے ذوق کے چشمہ سے جرعہ نوشی کرتا رہا۔ شاہ قاسم ۱۰۸۲ھ میں عالم باقی کی طرف رہسپار ہوا اور بیدؔل نے تاریخ وفات میں یہ مصراع کہا:-

"ز بی تعینی ذات رفت نام صفت"

اس ضمن میں بیدل نے چہار عنصر (چاپ صفدری، صفحہ ۷۱، ۷۲) میں ایک عجیب واقعہ یوں درج کیا ہے: "سال ۱۰۸۳ھ میں ایک بار میں نے شاہ قاسم کو دو بار پیالے خواب میں دیکھا۔ پہلی بار اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ دیکھا جسے اس نے یک بار پی لیا۔ دوسری رات پھر اسے خواب میں ایک پیالہ اور صراحی لئے دیکھا۔ اس نے دونوں چیزیں میری طرف بڑھا دیں۔ میں نے اس سے لیکر پیالے کو پُر کیا اور شاہ قاسم کے پیش کیا۔ لیکن شاہ قاسم نے لینے سے معذرت حاصل کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے اپنے پیمانے کا دور کل رات ختم کر لیا۔ یہ آپ کا حصہ ہے۔" تیسری رات میں نے ایک بار پھر خواب دیکھا کہ نورانیوں کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہے اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر شاہ قاسم کی رحلت کے بارے میں مادۂ تاریخ میں مصراع کہا ہو تو اُسے ہمارے سامنے پڑھو۔ میں نے مندرجہ بالا مصراع پڑھ کر سُنایا جب صبح بیدار ہوا تو اس مصراع کے مفہوم کو سمجھ نہ سکا۔ لیکن بعد میں جب شاہ قاسم کی وفات کی اطلاع ملی تو معلوم ہوا مصراع معنی اور مادۂ تاریخ دونوں لحاظ سے مناسب حال ہے۔"

ان بزرگ لوگوں کی مجلسوں اور صحبت میں بیدل توحید کی تحقیق میں مشغول ہوا۔ ان مجلسوں سے حاصل کیا گیا استفادہ اس کے اشعار اور افکار پر دائمی اثر ڈال سکا۔ ان محفلوں

میں عارف اور صوفی لوگ دن رات وحدت و کثرت، حقیقت و مجاز، ممکن و واجب، ممکنات انسانی و مراتب وجود جیسے گہرے مسائل و موضوعات پر بحث کیا کرتے۔ یہ سب بزرگ بیدل کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے اور ان کے اور بیدل کے درمیان قلبی روابط بڑے مستحکم ہوتے گئے۔ بیدل ان کے خوارق اور کرامات کا مشاہدہ کرتا اور ان مجلسوں کو بایزید بسطامی اور شبلی اور جنید کی مجلسوں کا عدیل خیال کرتا اور ہمیشہ کہا کرتا کہ "وصف این طائفہ تفسیر کلام اللہ است۔" ان عارفوں کے ساتھ قربت کی بنا پر بیدل اسلامی تعلیمات اور فلسفہ کی روح سے آشنا ہوا اور تصوف کی طرف بھی مائل ہوتا گیا۔ مجاہدہ اور ریاضت کو بھی زیر نظر لایا۔ الغرض ان نیک مردوں کی صحبت سے بیدل کو جو فیض حاصل ہوا اس کو اس شعر میں منضبط کیا ہے ؎

صحبت صاحبدلان جوہر اکسیر غنا است
بی صدف قطرہ مجالست کہ گوہر گردد

بخش فارسی

هیئت تحریریہ :

دکتر شمس الدین احمد رئیس قسمت فارسی دانشگاه کشمیر
دکتر کاشی نات پاندیت دانشیار " "

پیش گفتار

بیش از هشت سال میگذرد شعبه فوق لیسانس زبان و ادبیه فارسی در دانش گاه کشمیر دائر گردید. تا دو سال پیش شعبه هائے اُردو و فارسی باهم منسلک بودند ولی بر مقتضیات روز در اوائل سال ۱۹۶۸ء میلادی از یک دیگر تفکیک شده رشته فارسی بطور مجزا سرگرم کار شد. این اوّلین موقع ایست که انصرام تعلیمات عالی در زبان و ادب فارسی در دانش گاه کشمیر با جمله تسهیلات و لوازمات براه اُفتاد. خوش بختانه استادان این رشته علاوه بر کمال اُستادی در صنف خاص خود در پیش رفت و اعتلای شعبه زحمت های فوق العلوه کشیده در خلال همین دو سال واندی. نه تنها شعبه را سر و صورت مناسبی دادند بلکه در بسیاری موارد آنرا تجهیز و مکمل ساختند و اُمید میرود در سال هائے آینده بر آن افزایش داده شود. البته معلوم است، دانش گاه بخصوص رئیس محترم کنونی از بذل همه گونه کمک و تشویق در هیچ منزل و موقع خود داری نمودند لذا تشکر و سپاسگذاری را در حق ایشان لازم میدانیم و از صمیم قلب آنرا ابراز مینمائیم ـــ

خوانندگان محترم ما غالباً میدانند که فرهنگ ایران و زبان و ادب فارسی بخصوص طی قرون متمادی در میان کشمیریان چه سابقه تاریخی و چه نفوذ دیر پا داشته است، اگر قرار باشد این داستان باستان را و لو اینکه مجملاً باشد بنگارش در آوریم ناچار صد ها صفحه کاغذ باید سیاه بشود. و باز هم افسانه از افسانه خواهد برخاست. متاسفانه این کار اگر چه بسیار ستودنی است باز هم در حال حاضر از حوصله این مجله بیرون است. اما اینکه به فرهنگ کشمیر موقعی ای فراهم می کنیم تا توسط اوراق این مجله در گسترش فرهنگ ایران در کشمیر تحقیق و تدقیق نمایند.

کمتر مواردی است که نفوذ فرهنگ ایران در زندگی کشمیریان هویدا نیست.

در رفتار و گفتار ما، در اعیاد و مراسم ما، در خورد و نوش، در بذله و مطائبه، نغز گفتاری و سخن سنجی این تأثیر دامنه دار را میتوان دید۔ در آرشیوهائے دولتی هزاران نسخه هائے گرانبهاست که بتوسط علماء و فضلائے پیشین ما برشته تحریر کشیده شده است۔ اینها را باید از کنج خمول بیرون کشید و به ایران شناسان تقدیم داشت تا در احیای آثار تحقیق و تدقیق براه افتد۔ حیف است که تا کنون در این کار کمتر سعی بخرج داده شد و اکنون که قرعهٔ فال بنام ما زده اند، مؤظفیم همت را برای این کار گماشته از شیدایان این دعوت کنیم بیایند و ورثه اسلاف را از اتلاف نگهدارند.

مجلهٔ حاضر دومین شماره ایست که از شعبهٔ فارسی اجرا میگردد۔ در شماره اول بعلتی چند نتوانستیم بخش فارسی را بطور مجزا ملحق کنیم ولے خوانندگان محترم از ما اصرار داشتند و ما هم بر آن بودیم که بخش فارسی باید در هر صورت در شماره حاضر دایر گردد۔ چنانکه ملاحظه خواهید کرد روش کار ما آنست که نه فقط مقالات ادبی را در مجلهٔ حاضر جا دهیم بلکه جنبه هائے فرهنگ کشمیر را ولو اینکه صدائے میوه فروشان باشد و یا بازی بچه ها و یا غزل یک استاد، بطور توشه ای از هر گوشه فراهم آورده توی این کشکول بریزیم۔ امید داریم بدین مناسبت مجلهٔ ما جالب و پر ارزش خواهد بود و مورد پسند خوانندگان محترم قرار خواهد افتاد۔

مابدین وسیله از خوانندگان محترم تقاضا میکنیم ایشان نیز در ترویج فرهنگ کشمیر باید علاقه مضرطی را از خود نشان داده بهر وسیله و بهر راه که می توانند در بالا بردن سطح مقالات این مجلّه با ما همکاری کنند۔ اگر بگوئیم که ایشان وظیفه دارند یا با ما هم کار و هم آهنگ باشند شاید چیزے غلط و ناشایانه نگفته ایم۔

در حین تهیه و تنظیم این مجلّه، دکتر شمس الدین احمد رئیس قسمت فارسی بنا بر دعوت دانشگاه پهلوی شیراز برای شرکت در کنگره جهانی سعدی و حافظ در ماه آوریل ۷۱ ۱۹ میلادی دعوت شدند و بعد از شرکت ایشان طی بازدید از کتابخانه ها و دانشگاه های تهران و مشهد یک ماه و نیم موفق شدند کتابهای بسیار مفید و ارزنده چه برای محققین

زبان و ادب فارسی درین منطقه و چه برای استادان و دانشجویان این بخش بعنوان هدیه از اداره های مختلف دولتی ایران مثلاً دانشگاه های تهران، مشهد و شیراز انجمن آثار ملّی، بنیاد پهلوی، بنیاد فرهنگ و از وزارت محترم فرهنگ و هنر دریافت نموده اند۔ ما بدینوسیله از رؤسای محترم دانش گاه ها، انجمنهای مذبور و از دانشمند محترم جناب آقای دکتر صادق کیا، معاون وزارت محترم فرهنگ و هنر صمیمانه تشکر میکنیم و امیدواریم در آینده نیز بارسال کتابهای تازه، ما را تحت تشویق قرار دهند۔

دکتر شمس الدین احمدؒ
رئیس بخش فارسی دانشگاہِ کشمیر

حافظ و جمال پرستی

[جناب آقای دکتر شمس الدین احمدؒ رئیس محترم بخش فارسی در ماہ آوریل سال جاری برای شرکت در کنفرانس جهانی افصح المتکلمین سعدی شیرازی و خواجۂ شیراز از طرف دانشگاہِ شیراز دعوت شده بودند۔ رئیس محترم مارا جع بر شاعر و عارف کم نظیر خواجہ شمس الدین محمدؒ حافظ شیرازی در آن دانشگاہِ معظّم در حضور دانش مندان و متفکرین و اُستادان کشور ایران و کشور های خارجی نطقی ایراد فرمودند کہ بسیار مورد تحسین و ستایش حضّار ارجمند قرار گرفت۔ اینک عیناً آن را برای خوانندگان محترم این مجلّہ نقل میکنیم ـــــ مُشک آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطّار بگوید ـــــــــــــ اداره]

جمال پرستی و زیبائی شناسی از خصایص ارزندۂ قوم آریائی بوده است۔ علّت وجودی این امر تا حدّی مربوط بہ منظره های دلکش طبیعی است کہ این قوم را چون کودکی نوزاد در آغوش خود پرورانیده است۔ مناظر طبیعت در روحیۂ اقوام تأثیر بسزائی دارد۔ انگلیسی ها ادعا می کنند کہ یکی از علل شهامت آنها نزدیکی این قوم بہ اوقیانوس میباشد کہ مجبور اند بطور مداوم با این دریای متلاطم دست و پنجہ نرم کنند۔ ایرانیان نجیب کہ بازماندگان نژاد آریائی هستند بیش از هر قوم دیگر بہ زیبائی شناسی گرائیدند۔ علاوه بر خصوصیات ذاتی این گروه، مظاهر طبیعت بدون شک درین گرایش نقش عمده ای بازی کرده است۔

ادیان میترا و زردشت از رهِ تعلیمات پاکیزه، در فکر ایرانیان تاثیر عمیق گذاشته اند۔ مهر بزرگترین و نیرومند ترین منظهر روشنائی و جمال است۔ آتش در

دین زردشت، مقام بزرگی دارد- ایرانیان آن را همواره در خانه ها و در آتشکده ها روشن نگه میداشتند- روشنائی و نور، برای جمال پرستان، معنی و کشش خاصی دارد درحالیکه یکنفر عادی در آفتاب و آتش غیر از نور و حرارت چیز دیگری نمی بیند

سرزمین ایران، باستثنای قلات شمالی، بیشتر خشک و سنگلاخ است و فرشگهای زمین از سبزی و درختکاری عاری است- اما چون بدهکده ای یا شهری میرسیم اجتماعی بچشم میخورد- آنها در خانه های شان باغچه میکارند، حوضی میسازند و گلهارا چه در گلدان و چه در باغچه باسلیقهٔ خاص خود می رویانند- تابستان، افراد خانواده دور حوض جمع می شوند، از سبزهٔ باغچه لذت می برند و با گلها انبساط میکنند و وقتی را با خوشی بسر می برند- معمولاً ایرانیان خوش ذوق و خوش سلیقه، اوقات بیکاری را لب جوی ها و میان باغ و بوستانها سپری میکنند، شعر می سرایند، آواز میخوانند و مصائب روزگار را با استشمام بوی بهار و نوازش نسیم از خود دور می سازند- بینندهٔ خارجی با نگاهی عمیق باین عوالم بخوبی درجهٔ جمال گرائی این مردمان درک میکند- ذوق زیبائی، این مردمان جمال پرست را بقدری تحت تأثیر خود قرار داده است که شاعر ایرانی، حتی در مرثیه ها نیز، که در رثاء عزیزی و یا شخص مهمی سروده باشد، از آوردن منظره های طبیعت احتراز نمی کند- این دو رباعی را ملاحظه بفرمائید:-

۱ • از رفتن شمس از شفق خون بچکید
مه روی بکند و زهره گیسو ببرید
شب جامه سیاه کرد و در آن ماتم و صبح
بر زد نفس سرد و گریبان بدرید

۲ • در ماتم تو دهر بسی شیون کرد
لاله همه خون دیده در دامن کرد
گل [illegible] بس قبای ارغوانی بدرید
قمری نمد سیاه [illegible] کرد

شعر در نظر شاعر ایرانی تنها وسیلهٔ القائ اندیشه نیست بلکه مانند کلید—

الیست که با اندیشه و زیبائی های طبیعت آمیخته می باشد۔ بنابرین وی به هیچ وجه آماده نیست که زیبائیهای عالم ظاهر را از شعر خود متاثر که بدهد۔ این عمل برای وی غیر طبیعی میباشد۔

باید در نظر داشت که سنّت در رُشد و تذهیب دادن یک تمدّنِ پُرمایه نقش مهمی را ایفاء میکند۔ از دیرباز، شاعران چیره دست و هُنرمند، مثل خواجه حافظ شیرازی با سنّت زیبائی شناسی آشنا بوده اند۔ غزل را سعدی رح باوج کمال رسانید ولی پیش از وی هم، شاعرانی بودند که در جنبه های جمال پرستی راهی برایش گشوده بودند۔ و چون کار به حافظ رسید، سنّتی محکم و استوار که معمار بزرگ آن همان شیخ اجلّ بوده است، در غزل فارسی رواج یافت۔ اما فقط سنّت کافی نیست۔ سنّت مثل ریشه های درخت می باشد که درخت را استوار نگه میدارد ولی زیبائی درخت بسته بشاخ و گل و شگوفه ظاهر آن است۔ سنّت باید چیزی بلطافت و نزاکت و زیبائی زندگی بیفزاید، تا زندگی، باهمه خوبی و دلکشی های خودش، برای ما جلوه کند۔

بعد از جستن عللی چند برای نفوذ حسّ زیباشناسی در روحیهٔ قوم ایرانی، اینک به حافظ جمال پرست می پردازیم:

مهم ترین چیزی که درباره خواجه شیراز بخاطر می رسد و باید آن را نکتهٔ اوج از جمال پرستی وی دانست، این است که در اندیشه های وی آمیزشی لطیف از زیبائیهای آسمان و زمین موجود است۔ چنانکه برای وانمود کردن جمال آسمانی، وی زیبائیهای زمین را، که موجب الهام وی میباشد، اساس قرار داده است۔ مسلّم است که حافظ شاعر آسمانی بُود، ولی جای تأمّل نیست که حافظ روی همین عالم ظاهر، مخصوصاً در موطن خود، با محبوبی از همین گوشت و پوست که ما داریم، عشق ورزیده است۔ آن معشوقه چه شاخِ نبات، مفروضه ای بوده باشد و یا جمال طبیعت که در اندیشه های وی تجسّم یافته است:

حالِ دل با تو گفتنم هوس است   خبرِ دل شنفتنم هوس است
طمع خام بین که قصهٔ فاش   از رقیبان، نهفتنم هوس است

شب قدری چنین عزیز و شریف — با تو تا روز، نخفتنم هوس است
وه که در دانه ای چنین نازک — در شب تار، سفتنم هوس است
ای صبا! امشبم مدد فرمای — که سحر گه، شگفتنم هوس است

و همین معشوق زمینی حافظ را بسخن گوئی وادار نموده و کلکِ صُنعش را آماده، برای کشیدنِ نقش های مُراد، میساخته است:

بلبل، از فیض گل آموخت سخن، ورنه نبود
این همه قول و غزل، تعبیه در منقارش

کلکِ مشاطهٔ صُنعش نکشد نقشِ مُراد
هر که اقرار بدین حُسن خدا داد نکرد

حافظ خودش را در جمال طبیعت بقدری در آمیخته بود که مانندِ صوفیانی، که مقام اوجِ معرفتِ الهی را دریافته، مشاهده از همه اوست میکنند تماماً جمال و سرتا سر زیبا گشته بود، چنانکه در جمال طبیعت قایل بدرجه بندی آن نبود و مانند قطره ایکه در آبهای بیکران دریا تحلیل رفته از احساس وجودِ مستقل، بی نیاز میباشد، موجودی از موجوداتِ عالم طبیعت شده بود.

چنان پُر شد فضای سینه از دوست — که فکر خویش گم شُد از ضمیرم
اینکه من در جستجوی او ز خود فارغ شدُم — کس ندیدست و نبیند مثلش از هر سو ببین

و همین است که در مظاهر عالم، سپید و سیاه برای وی هیچ اهمیتی نداشت و در نظر وی همه چیز از مظاهر طبیعت، زیبا بود:

نیست در دایره یک نقطه خلاف از کم و بیش
که من این مسئله بی چون و چرا می بینم

آن سیه چرده که شیرینی عالم با اوست
چشم میگون، لب خندان، دلِ خرّم با اوست

کلمهٔ عشق که حافظ آن را در اشعارِ خود بیشتر بکار برده، وسیله ای برای ابراز احساسات، جمال پرستی وی میباشد، زیرا چنانکه گفتیم، حافظ، اساساً الهام عشق را از مناظر طبیعی و یا از جمال کائنات گرفته است و این ملکه را از روز ازل یادداشت

بُرده بود :—

در ازل پرتوِ حُسنت ز تجلی دم زد　عشق پیدا شد و آتش بهمه عالم زد

بودم آنروز من از طایفهٔ دُردکشان　که نه از تاک نشان بود و نه از تاک نشان

و درین عالم زیبا، برای بدست آوردن همین میراث از دست رفته را، تلاشها میکرده است. چنانچه، سعی و کوشش همهٔ آنهائی را که بعنوانِ عاشقان جمال، دنبال زیبائی میروند، از منظر تحسین نگاه میکند و این چنین اشخاص را فنا ناپذیر قرار میدهد و در توصیف و ستایش آنان، که خود نیز در صف آنان قرار گرفته است، یکنوع افتخار و عظمت را حس میکند. این افتخار و عظمتِ عالمگیر، از کلمهٔ "ما" که در شعر درج ذیل بکار برده، در برابر چشم ما جلوه میکند :

هرگز نمیرد آن که دلش زنده شد بعشق

ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

اگر درین شعر کمی فکر کنیم خواهیم دید که خود حافظ بین مظاهر طبیعت منظوری بود محو ناشدنی مانند خود جمال طبیعت، و بهمین جهت مرگ را بمبارزه طلبیده است. درست است که حافظ از خطر مرگ آزاد نبود چنانچه در وصل نیز ازین دغدغه آسودگی را نداشت :

بلبلی برگِ گلی خوشرنگ در منقار داشت

واندران برگ و نوا خوش ناله هائی زار داشت

صبحدم مرغِ چمن با گل نوخاسته گفت

ناز کم کن که درین باغ بسی چون تو شگفت

ولی وی جمال پرستی و ذوقِ زیبائی را تنها وسیله ای برای فائق آمدن، بر اندوهِ مرگ، میدانست. وی در هر حال و از هر حیث، نه فقط زیبائی مظاهر عالم را مشاهده می کرد، بلکه این زیبائی را میخواست تا ته سر کشد. حتی اگر شراب هم میخواست بنوشد بایستی آن شراب آمیخته با عکسِ جمال و روی محبوب باشد.

ما در پیاله عکسِ رُخِ یار دیده ایم　ای بی خبر ز لذتِ شُربِ مدام ما

در مجلس صبوحی دانی چه خوش نماید　عکس عذار ساقی در جام می فتاده

اگر پیامی بدلدار میخواهد بفرستد، بخلاف آنهائیکه شخص نامه بر یا هُدهُد و یا کبوتر را بعنوان قاصد بکار می برده اند، حافظ، بیشتر از بادِ صبا، که غیر از آن در نظرش قاصدی در نهایتِ لطافت و زیبائی و موجودی نامرئی، موجود نیست، طلب استمداد نموده است۔

احساسات شور انگیز جمال پرستی، حافظ را در مجسمهٔ واحد ریخته بود که از چند هنرهای زیبا ساخته شده باشد۔ میدانیم که عاشقان هنرهای زیبا، در یکی از هنرها کسب کمال میکنند۔ یکی نقاش میشود و آن دیگری موسیقی دان۔ یکی مجسمه ساز و دیگری شاعر۔ ولی در وجود حافظ، ما سه تا شخصیتهای برجستهٔ هنری و مجزا را در می یابیم۔ حافظِ شاعر، حافظ نقاش و حافظ موسیقی دان۔ چنانکه از اشعار شیوای وی بنظر میرسد، حافظ، موسیقی دان چیره دست هم بوده است و بهمین سبب در برابر اغلب شاعران ایرانی اشعار وی از صدای قانون و رباب، آواز چنگ و نی، صوت چغانه و کمانچه، زمزمهٔ بربط و ساز، نغمهٔ مطرب و سرود سماع، در گوش ما طنین می افگند و بارها خودش را حافظ خوشخوان، حافظ خوشگوی، حافظ خوش لهجه و خوش الحان گفته است۔ از نظر اهلِ ذوق و صاحبانِ بصیرت پوشیده نیست که شاعری غرق در جمال محبوب خود که زیبائی وی در درون آن عاشق دیوانه و دلباختهٔ مانند شیر تحلیل رفته که بدر رفتن آن فقط با جان شیرین امکان پذیر است، در چه مقامی از شور و جذبه و وجد و حال قرار گرفته باشد۔ احساس آتشین جمال طلبی حافظ، که تا حد دیوانگی بوده است و گاهی در صورت موسیقی، وقتی در صورت پرده های نقاشی و گاهی در قالب اشعارِ شیرین و عارفانه بروز کرده است۔

حافظ ما را در مطلع کم نظیر یکی از غزلهای بسیار شیوای خود، در برابر چشم مان مجسم میکند:

زلف آشفته و خوی کرده و خندان لب و مست
پیرهن چاک و غزلخوان و صراحی در دست

پس شگی نیست که حافظ اشعار خود را همراه با آهنگ تار در لهجهٔ خاص شیرین

خود می سروده و دیگران را هم وادار بگوش دادن آن می نموده است می بینیم که تعداد قابل ملاحظه ای از غزلهای وی بسیار نزدیک بموسیقی و بعضی از آنها واقعاً قابل سرودن با آواز دف و نی همراه بدست زنی و پایکوبی می باشد. مثلاً :

۱- مرا مهر سیه چشمان ز سر بیرون نخواهد شد

۲- بیا تا گل بیفشانیم و می در ساغر اندازیم

۳- مدامم مست میدارد نسیم جعد گیسویت

هنر رقص که ملازم موسیقی است نیز بعنوان رکن لازمهٔ جمال پرستی، در حافظ زیباشناس ما وجود دارد. زیبائی نقشبندیهای صنع چنان این هنرمند سحرکار و شیفتهٔ جمال را تحت تأثیر عمیق قرار داده بود که در عالم ذوق زدگی و مستی و بیخودی ویژهٔ خود، وی را در صورت یک رقاص عاشق پیشه مشاهده میکنیم که در برابر رنگینی و بوقلمونی عالم ظاهر و جمال محبوب، نه فقط اینکه حالت رقص بر وی دست میداد بلکه طبیعت را نیز در برابر زیبائیهای وی غرق در رقص میدیده است :

ـــه چنان در سوز من سازش اثر کرد که (ی) رقت ندیدم هیچ شی را

بار ما چون گیرد آهنگ سماع قدسیان در عرش دست افشان کنند

این هم اشعاری چند راجع بحالت رقص زدگی حافظ :

ـــه در آسمان نه عجب گر ز گفتهٔ حافظ سرود زهره برقص آورد مسیحا را

بر سر تربت من با می و مطرب بنشین تا ببوییت ز لحد رقص کنان برخیزم

آتشی در دل دیوانهٔ ما افگندی که چو گردیم همیشه بهوایت رقاص

بعد صد سال اگر بر سر خاکم گذری سر بر آرد ز گلم رقص کنان عظم رمیم

اینگونه احساسات و عواطف پرشور، ابیات حافظ را آهنگی طرب انگیز و زنگی برجسته بخشیده است و بعلت تازگی و شگفتگی، صفا و طراوتی که در نتیجهٔ آن تنغگی و موزیک و در عین حال مملو از مستی عرفانی و الهام بخش، سراسر سرودهای وی را فراگرفته است، دیوان این شاعر و عارف کم نظیر، مایهٔ زیب و زینت خانهٔ هر ایرانی جمال پرست می باشد و هر ادب دوست ایران، چه از کشمیر، که بنده خود از آن دیار هستم، و چه از سمرقند یا چه از نقاط دور دست عالم، ازان الهام میگیرد :

بشعر حافظ شیراز میگویند و میرقصند سیه چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

پرستش زیبائی عالم صُنع، حس نقاشی حافظ را بحدّ اعجاب آوری برانگیخته و ازین لحاظ نیز عظمت حافظ بیشتر روشن میشود که وی اندیشه های خویش را با عواطف درونی خود پیوند ناگسستنی داده و آنها غیر قابل تفکیک نموده است بنظر شخصی بنده این است که حافظ درین خاصیّت شعر، بی همتا است و بعلّت همین خاصیّت یعنی بهم آمیختگی اندیشه و عواطف، شعرهایش مانند پرده های نقاشی که درعین حال دارای حالت رویائی میباشد، جلوه میکند - غزلی شیوا بمطلع ذیل تابلوی کاملی است از نقاشی :

سحر ببوی گلستان دمی شدم در باغ
که تا چو بُلبل بیدل کنم علاج دماغ

ویا این چند تا شعر را ملاحظه بفرمائید :

بنفشه طرّهٔ مفتول خود گره می زد — صبا حکایت زلف تو در میان انداخت
بچمن خرام و بنگر برتخت گل که لاله — به ندیم شاه ماند که بکف چراغ دارد
گذار کن چو صبا بر بنفشه زار و ببین — که از تطاول زلفت چه سوگوارانند

احساسات پُرشور و عواطف هیجان انگیز و حرارت آمیز زیباطلبی و جمال شناسی، حافظ را از تجربهٔ آوردن علامات و کنایات در اشعار خویش، گذرانیده است. - اما بعلّت حسّ و شعور جمال شناسی کنایات و علامات غیر مأنوس را اختراع ننمود بلکه درین مورد نیز موادّ خام از جمال طبیعت و نقشبندیهای زیبای عالم ظاهر کسب نموده و باین وسیله علاماتی که در شعر بکار برده مُناسب وضع خاطر اندیشه و عواطف وی بوده است. اشعار خویش را از علامات، مانند آتش، لاله، رنگ، نور و روشنائی آگنده و ترکیبات بکر و اصیل و در عین حال دلاویزی را ساخته که تمام دیوانش آلبومی از زیبائیهای طبیعت بنظر می رسد - مثلاً: نور باده - شمع سعادت پرتو - تنور لاله - چراغ می - مشعلهٔ صبح - شعاع جام - آتش گل - مرغول سنبل و غیره - حتی محبوب را نیز، بخلاف شعرای سنتی ایران که از ستمکاری محبوب در روزگاران هجران بی پایان، وی را بعنوان قصّاب از آب در می آرند، حافظ معشوق خود را سرو صنوبر خرام - شمشاد خانه پرور - تذرو خوشخرام - غزال رعنا - شهسوار شیرین کار - بت مشکین کلاله - پادشاه ملک وجاهت - نوگل خندان - شمع چگل - بت شیرین حرکات

شاه شمشاد قدان ـ گلبن جوان ـ شاخ گل رعنا ـ تازه گل ـ خسرو شیرین دهنان وغیره خوانده است ـ

حافظ در طلب زیبائی و جمال طبیعت، رند باده گسار هم گردیده و هم در جستجوی هدف خود، همراه باد صبا، در مرغزارها، سبزه زارها و باغ و بوستانها دیوانه وار میگشت ـ وقتی در گلگشت های مصلی و کنار آبهای زلال رکناباد، بجستجوی محبوب پرداخت و گاهی بکوه و بیابان سر میداده است. گاهی شیره و عصارهٔ هر برگ گل را میمکیده و زحمت هر خار میکشیده و گاهی در هوای مشکبوی زلف کمان کش یار، ناله های دل بیقرار خود را بانسیم بازگو کرده است. گاهی دختر گلچهر رز را زینت آغوش خود نموده و وقتی در کاسهٔ زر و قدح آئینه کردار عکس جمال یار را دریافته ـ هنگامی در بادهٔ گلرنگ و آتش خواص، تصویر محبوب را مشاهده، و گاهی بت چهارده ساله ای از مشتاقانه بغل کرده است ـ و با این همه، این عاشق سرمست و دیوانهٔ جمال، هیچوقت از تماشا کردن زیبائیهای طبیعت با دو دیدهٔ حیران ظاهر سیر نشده است :

برین دو دیدهٔ حیران من هزار افسوس   که با دو آئینه، رویت عیان نمی بینیم

وهمین است که از مرزهای زمین بیرون می جهد و میان فضای عمیق و بی پایان آسمانها میگذرد و سوی ماورای افلاک پرواز میکند و اوج میگیرد تا التهاب عطش ازلی و سیر نشدنی جمال پرستی را فرو نشاند ـ مرزهای حافظ از زمین تا ورای آسمانها توسعه و گسترش یافته و بهمین علت حافظ در برابر ما در کسوت شاعر سحر کار جلوه میکند که خودش در طلب جمال بقدری سرگشته و سرگردان است که شیفتگان وی نمی توانند اُو را گیر بلند ازند :

رموز مستی و رندی ز من بشنو نه از حافظ

که با جام و قدح هر شب ندیم ماه و پروینم

جستجوی حافظ ما را بعالمی میکشاند که مشاهدهٔ آن ما را مسحور میکند و ما نیز بعنوان موجودی از آن عالم رویائی، از خود بیخبر می شویم ـ گاهی ما را بتماشای عالمی وادار میسازد که با وجود غیبت، همه جا سبز می شود یعنی از غیبت خود، برجسته تر جلوه میکند ـ مثلاً اشعار درج ذیل از غزلی دارای وضع رویائی، که در عین حال شاداب

و بانشاط است، ملاحظه بفرمائید۔ این اشعار را فقط میتوان حس کرد۔ معانی و تشریح آن از حیز امکان بیرون است :

در سرای مغان رُفته بود و آب زده نشسته پیر و صلائی بشیخ و شاب زده
سبوکشان همه در بندگیش بسته کمر ولی ترک کله چتر بر سحاب زده
شعاع جام و قدح نور ماه پوشیده عذار مغبچگان راه آفتاب زده
ز شور و عربدهٔ شاهدان شیرین کار شکر شکسته، سمن ریخته، رباب زده

زبان و بیان این شاعر پرستار زیبائی و جمال چون بمنتهای لطافت می رسد به هنر تبدیل می شود و چه هنری، گویا چشمه ساری است که زیبائی و جمال را بهر سو روان میکند۔ زبانش دارای شگفتگی بهار فرودین و بیانش حامل صفای ماه معین است۔

من در اشعار این روشنگر جمال، هیچ آرایش و پیرایش مصنوعی نمی بینم۔ آرایش هنری است که آن را می شود کسب نمود ولی کلام حافظ، دلبری است که با حسن خدا داد آمده است و شاید بهمین علت در سراسر منظومات حافظ زیبائی و جمال طبیعت پراگنده شده است۔ تفوق جمال پرستی در رگ و پی حافظ مانند رطوبت باد سحرگاهی است که در شاخ گل سرایت کرده باشد۔ کوشش حافظ برای بوجود آوردن این غلبه و تفوق، کوشش ارادی نبوده است بلکه این جزوی بود از اندیشه و خاطره‌ی و سهمی بود از خمیر وجود او و چنانچه همین انگیزهٔ وجدان را بدون خود آگاهی و بطرز غیر شعوری بیان نموده است :

در پس آئینه، طوطی صفتم داشته اند
هرچه اُستاد ازل گفت، همان میگویم

حافظ، طلب جمال را غایت نهائی هستی خویش میدانسته است :

حافظ از بهر تو آمد سوی اقلیم وجود قدمی نه بوداعش که روان خواهد شد
راهرو منزل عشقیم و ز سرحد عدم تا باقلیم وجود این همه راه آمده ایم

جمال، بقول شیلی، حقیقت است و حقیقت جمال۔ ابراز احساس جمال پرستی واقعی، مقتضی آن می باشد که عاطفه دارای حقیقت باشد و اندیشه جهانی و احساس، قوی و موثر باشد۔ آمیزش این هر سه مختصات، در حافظ بعلت جستجوی و تجسس برای جمال و زیبائی روشن تر و برجسته تر می باشد و از لحاظ

این خصایص، کلام حافظ دارای مقامی است که مردی حافظ شناس و صاحب نظری جمال پرست، کلام حافظ را از آهنگ رقص آفرین ویژهٔ آن، که همه جا بنظر میرسد، می‌شناسد۔

حافظ اجزای وجود خود را در جمال طبیعت حل کرده بود و بعنوان جزوی از آن، نه فقط پرستش کنندهٔ رنگینی های عالم طبیعت بود بلکه خود نیز جمال را خلق می نمود۔ حافظ بطرز های گوناگون، وجود خود را در عالم زیبای طبیعت برجسته تر می نمایاند۔ وقتی چون در نتیجهٔ خستگی در راه جستجوی بی پایان هدف خود، گردی از حزن و ملال بخاطر وی می نشیند، و یا جمال و زیبائی موقتاً از نظر وی پنهان میشود، در دوران این فاجعه نیز، دل نامراد خویش را توصیه میکند تا انگیزهٔ جمال پرستی را رها نسازد و بدین ترتیب، جمال را خلق می کند و احساسات خود را با بزرگیهای اندیشه و وجدان، شناسا میسازد تا ابر های سیاه حزن و ملال، جای روشنی و نور جمال در قلب این شاعر حساس و نازک طبع، نگیرد۔ حافظ، برای خلق نمودن جمال نیروی مرموزی را داشته و بدین سبب آدم، موفق بداشتن قلبی زیبا و اندیشه و نگاه قشنگ و عالی وی می شود۔ درحالت فاجعه انگیزهٔ جمال پرستی را بدینگونه بهبود میدهد:

گر بهار عمر باشد باز بر تخت چمن — چتر گل بر سر کشی ای مرغ خوشخوان غم مخور

نفس نفس اگر از باد نشنوم بویت — زمان زمان کنم از غم چو گل گریبان چاک

بنشین برلب جوی و گذر عمر ببین — کین اشارت ز جهان گذران ما را بس

چو گل هردم ببادت جامه بر تن — کنم چاک از گریبان تا بدامن

چنین که در دل من داغ زلف سرکش تست — بنفشه زار شود تربتم چو در گذرم

در نتیجهٔ همین جمال پرستی سروده های حافظ تابلوی قشنگی است از صورت و معنی، و بدین سبب این شاعر صورت گر شعر فارسی را تمثالهای بی مانندی اعطا نموده که شرح و بسط آن خارج از حوصلهٔ این مقاله می باشد۔

گفتیم که حافظ برای ابراز عواطف آتشین و احساسات شور انگیز خود، موادّ خام را از جمال طبیعت فرا گرفته و در قالب خاطر خویش، بکمک اعجاز تخیّل، آن را بصورت علامتهای اندیشه و وجدان در آورده است۔ علامت اندیشه، عمل

زمینی وی، و علامت وجدان عمل آسمانی و یا ماوراء طبیعی وی میباشد و در هر
دو حالت در جستجوی حقیقت و جمال و زیبائی و صداقت می بوده است. این جمال
و زیبائی که آن را در زمین و آسمانها می جست و بر پایه های همین عمل دوگانه استوار
بوده، غایت نهائی و هدف مقصود وی بوده است. گاهی برای مشاهدهٔ حق و
حقیقت ما را از ماورای آسمانها می برد و در صفیر بام عرش که بگوش وی طنین می
اندازد، ما را سهیم و شریک می سازد.

من آن مرغم که هر شام و سحرگاه　　ز بام عرش می آید صفیرم

و گاهی برای لذت بردن از رنگینی مظاهر متنوع عالم موجودات، ما را از
صداهای مرموز گل و مُل و سرو و سمن و جام و باده آشنا میگرداند در تجسس جمال و
زیبائی، آمیزشی چنین عالی و هم آهنگ و کامل مظاهر پرستی و ماورائیت، در
هیچ شاعر دیگر ایرانی وجود ندارد.

با وجود اینهمه که در بالا گفتیم، درک معانی در ابیات حافظ کاری بس صعب
است. در مورد شخصیت متعدد الابعادی وی　　می توان گفت که

فکر هر کس بقدر همت اوست

ادراک نمودن شخصیت عظیم هر هنرمند و شاعر بزرگ، مثل خواجه حافظ
آنچه که بوده است بسی دشوار است و بنده درین مقاله ادعائی ندارم و من
در بارهٔ حافظ می گویم که حافظا!

ترا، چنانکه توئی، هر نظر کجا بیند
بقدر بینش خود هر کسی کند ادراک

دکتر شمس الدین احمد

واژه های فارسی در زبان کشمیری[۱]

آ

آب

آباد

آبادی

آب و تاب (بمعنی صبر و ضبط)

آب چشم (ترجمه اش رابکار میبریم) یا آب دیده

آب حیات

آبخور (بمعنی "لیوان" کنونی)

آبدست

آبرو

آب روان

آبریز (شاشیدن)

آب زلال

آب زمزم

آب زیرکاه (ترجمه اش رابکار میبریم)

آبشار (اشخاص باسواد بکار می برند)

آب گرم

آبگوشت

آب و دانه

آب شدن (ترجمه)

آب و هوا

آبی

آتش

آتش بازی

آتش پرست

آتش شدن (ترجمه)

آتشک (مرض معروف)

آثار

آچار

آخر

آخرکار

آخرالزمان

آخرت

آخوند (بصورت اوخُن)

آداب

آدم

آدم خور (بمعنی آدم خوار)

آدمی

آدم شدن (ترجمه)

آدمی زاد یا آدم زاد

آذوقه (بصورت اوزقه درآمده)

[۱] منظور ما از واژه های عربی نیز هست منتهی چون واژه های عربی از طریق زبان و ادبیات فارسی بما رسیده اند از این عنوان استفاده کردیم.

آرام
آرام پسند (بمعنی تنبل)
آرام طلب "
آرایش
آرزو
آرزو در جگر شکستن (ترجمه)
آرمان (بصورت "ارمان")
آزاد
آزاد مرد
آزادی
آزار
آزاری (بمعنی آزار رساننده)
آزردگی
آزرده
آزمایش
آزموده
آزموده را آزمودن خطاست
آسان
آسانی
آسایش
آستان (بمعنی روضهٔ اولیا بزرگان)
آستر (بصورت استر)
آسمان
آسمانی

آسودگی
آسوده
آسوده حال (خوش حال)
آش جو
آشنا (بمعنی بستگان و بصورت آشناو)
آشنائی
آغا (بمعنی بزرگ، خداوند، رئیس، مرشد)
آفت
آفتاب
آفتاب کوہی (کسی که نزدیک بمرگ باشد)
آفتاب دادن (ترجمه)
آفرین
آگاه
آلایش
آلو بخارا
آلوچه (بصورت آلچه)
آلوده
آل و اولاد
آماده
آماس کردن (کسی که غرور و نخوت را بکار می برد)
آمدنی (بمعنی "دخل و یا عاید" کنونی)
آمد و رفت
آمین
آن (لحظه)

آوارہ
آوارگی
آوازہ
آویزہ (آویزہ تان نیستم - یعنی نوکر شما نیستم)
آویزان (بصورت آویزان استعمال میشود)
آہ
آہستہ
آیت
آیات
آئین (بمعنی دستور)
آئندہ
آئینہ
آئینہ دِل (ترجمہ)
آئینہ طبع (ترجمہ)
آیا (ہنگامی کہ از کسی سوال می کنند گاہی
این را بکار میبرند)

الف

ابتدا
ابتر
اَبد
ابدال
اَبدالآباد
اَبر
ابرو بہم در کشیدن (ترجمہ)
ابلق (بیشتر اسپ ابلق)
اِبن الوقت
اِتفاق
اتفاقی
اتفاقاً
اِثبات
اثر
اِجابت
اِجارہ داری
اجازت
اَجداد
اَجر
اَجل
اجلاس (شوریٰ)
اجنبی (بیگانہ)
احباب
احترام
احتمال
احتیاط
احساس
احسان
احکام
احکامِ الٰہی

احوال

احمق

اخبار (بمعنی روزنامه)

اختر شمردن (ترجمه)

اِختصار

اختلاف

اخراجات

اخلاص

اخلاق

آخیر

اَدا کردن (دینِ کسی را دادن۔ چیزی بانجام رسانیدن)

اَدب

اِدرار (شاشیدن و یا بمستراح رفتن)

اذکار (ذکر و اذکار)

اِذن

ارزان

اِرشاد (بمعنی ہدایت، فرمودن)

ارّه، اره کش (بصورتِ آرکیش استعمال مے شود)

اِزار (بمعنی شلوار) (بصورتِ یزار)

ازدست دادن (ترجمه)

ازدست رفتن (ترجمه)

ازدست شدن (ترجمه)

ازکار رفتن (ترجمه)

ازکار اُفتادن (ترجمه)

ازکار ماندن (ترجمه)

ازکار و بار شُدن (ترجمه)

ازکسی بُریدن (ترجمه)

ازکسی دست برداشتن (ترجمه)

ازل (بمعنی تقدیر استعمال مے شود)

ازلی

ازدستِ من کاری ساخته نمی شود (ترجمه)

اژدر

اژدہا

اِسپغول (بصورتِ اِسمغول)

اسباب

اِسپند (بصورتِ اِسبند)

اسپ دوانی (ترجمه)

اُستا (بمعنی اُستاد) (بصورتِ وُستا)

اُستاد

اُستاکار (بمعنی اُستاد حرفه ای بصورت وُستہ کار)

اُستاکاری (بصورتِ وُستہ کاری)

اِستاده

اِستخوان (بمعنی اعضا و یا عضو بدن)

اِستدعا (بمعنی خواہش کردن)

اَستر

استراحت

اِستطاعت

اِستعداد
اِستعفا
اِستعمال
اِستغفار
اِستغاثہ
اِستقامت
اِستقبال
اِستقلال (بمعنی پافشاری)
اِستنجا
اِسراف
اَسلاف
اسم (معمولاً اسم شریف میگوییم)
اسمِ اعظم
اشاره
اِشتعال (بمعنی خشم)
اِشتہار
اِشتیاق
اَشراف
اشرفی
اِشکال (بمعنی شُبہ)
اَشک
اصالتاً (بمعنی اصالت)
اصحاب
اصرار

اصل
اصلاً
اصلی
اِصلاح (بمعنی ریش تراشیدن
نیز بکار میبریم)
اصول
اضطراب
اِطاعت
اِطلس (بصورت اَطلاس نوعی از پارچہ)
اعتبار
اعتدال
اعتراف
اعرابی
اعتکاف
اعتماد
اعجوبہ بصورت عجوبہ بمعنی شگفت آور بکار میبریم
اعلان (بصورت ییلان)
اعلی
اعمال
اُعمی
اُغلب (غالباً)
اغیار (بیگانہ ها)
اِفتتاح
اِفراط (بمعنی یاوه گوئی)

افراسیابی (بمعنی فلسفہ راندن)
افسانہ
افسر (بمعنی صاحبِ منصب)
افضل
افسوس
افواہ (شایعہ)
افیون
افیونی
اِقبال
اقبال مند
اقتدار
اقرار
اقرار نامہ (بصورت یقرار نامہ)
اگر
اگرچہ
اِلّا (سِوائے)
الامان والحفیظ
الاؤ (آتشِ زبانہ کش)
اللہ
اللہ اکبر
اللہ اللہ
الٰہی
التجا
التماس

اِلحاق (مُلحق شُدن)
التعرض (منظور این است کہ)
التزام
اُلفت
القاب
الماس
المعنیٰ فی بطن الشاعر (مخصوص باشخاص باسواد)
اولوالعزم
الہام
اَمّا
اِمام
امامت
امانت
امانت گذار
اُمّت
امتحان
اِمتیاز
امداد
اَمر
اِمکان
اُمّی (بمعنی بے سواد)
اُمید
اُمیدوار

اُمیدواری
امیر (بمعنی پُول دار)
انار دانہ
انبار
اَنبُر (آلتی مخصوص بُرزگراں)
اَنبہ (میوۂ معروف)
اِنتظار (بمعنی منتظر بُودن)
انتقال (بمعنی تحویل دادن اراضی و املاک)
انجام
انجمن
انجیر (بصورتِ انجور)
اندازہ
اندر
اندیشہ
اُنس
اِنسان
انسانیت
انصاف
اِنعام (بصورت ینام)
اَنفس (نفیس و انفس۔ خیلی عالی)
انقلاب
اِنکار
اُنگُشت (بصورت انگش۔ انگج)
انگشت بدنداں گرفتن (ترجمہ)

انگشت نُما
اَوتاد (بمعنی گروہی از اولیا)
اَوراد (ذکرِ الٰہی)
اوزار (آلات)
اَوسط
اوقاف (بمعنی مقام و رُتبہ)
اوّل
اوّل خویش بعدہٗ درویش
اولاد
اولیا
اہانت
اہتمام (بمعنی شان و شکوہ)
اَہل و عیال
اہلِ دِل
اہلِ نظر
اہلیہ (بمعنی خانم)
اَے
اَے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تُست
(مخصوص بہ اشخاص باسواد)
ایجاب و قبول
ایذا
ایمان

دکتر شمس الدین احمد

چگونگی ادب و فرهنگ ایران در کشمیر

کشور هندوستان در آسیا مرکز پرورش بخش بزرگی از شعر و فرهنگ فارسی بوده است. پادشاهان تیموری نژاد هند که بسلسلهٔ پادشاهان مغل و یا گورکانی معروفند، علاوه بر علوم و فنون و هنرهای زیبا، شعر و ادبیات فارسی را در سراسر این کشور پهناور باوج کمال رسانیدند و در نتیجه شعرا و ادبا و فضلا و دانشمندان بسیاری در فارسی شعر سرودند و کتابهائی در رشتهٔ علوم و ادبیات فارسی نوشتند که شهرت آنان از حدود هندوستان فراتر رفت. اهالی هندوستان زبان و ادب فارسی را، که برای آنان کاملاً بیگانه بود، بدون هیچ تعصبی با آغوش باز پذیرفتند و در مدت صد سال از زمان شهنشاه ظهیر الدین محمد بابر (۹۳۲ - ۹۳۷ هـ) تا زمان سلطنت شهاب الدین شاهجهان (۱۰۳۷ هـ) شعر و ادب و فرهنگ ایران بر منتهای درجهٔ کمال رسید و در نتیجه بقول شادروان ملک الشعرا محمد تقی بهار، شاعر و نقاد ادبی بنام ایران:

"... دربار دهلی دربار بزرگتری شد که باید آن را دربار ثانی ایران نامید بلکه دوبار اصلی ایران. چه رواج زبان فارسی و ادبیات و علوم در دربار دهلی زیاده از دربار اصفهان بوده است و ظاهراً اگر در دربار اصفهان پادشاهان و خاصان درگاه بزبان ترکی صحبت میفرمودند ولی در دربار دهلی شاه و درباریان و حرم سرایان همه به فارسی گفتگو میکردند و دران عهد زبان فارسی در هند زبان علمی و زبان ترقی و دلیل شرافت و فضل و عزت محسوب میشد و در دربار اصفهان هرگز زبان فارسی این اهمیت را پیدا نکرد ... [۱] ..."

از نظر پیشرفت فوق العاده در شعر و فرهنگ ایران در هند، عدهٔ زیادی از شعرای ایران به هند مهاجرت نمودند و استعداد هنری خود را در وضع و محیط نسبتاً بهتر و آزادتر بکار بردند. در نتیجهٔ همین توسعه و تکامل ادبیات و فرهنگ ایران تقریباً در هر یکی از استان های هند از زبان فارسی اثری مشهور است و مخصوصاً در چند استان مثل دهلی، حیدرآباد و کشمیر حتی از زبان های محلی صرف نظر شد و مردم کلاً بشعر و ادبیات و زبان فارسی پرداختند.[۱]

آوردن داستان گسترش ادبیات و فرهنگ ایران در هند خارج از حوصلهٔ این مقاله است. ما فقط راجع بچگونگی ادب و فرهنگ ایران در کشمیر، که زیبا ترین استان های هند می باشد، سخن خواهیم گفت.

تاریخ روابط تمدن بین ایران و کشمیر خیلی قدیم است. از کاشیهائیکه از خرابه های معبد بودائی هاروان در سرینا گار (پایتخت کشمیر) و نیز از مجسمه هائیکه از جاهای دیگر در کشمیر کشف شده، روشن می شود که نفوذ پادشاهان ساسانی ایران بداخل کشمیر سرایت کرده است.[۲] بقول ستاین، دانشمند انگلیسی که قدیم ترین تاریخ سانسکریت راجع بکشمیر و پادشاهان کشمیر موسوم به راج ترنگنی را به انگلیسی ترجمه کرده، ورود کلمات فارسی مانند، دبیر (دویر) و گنج و رسله در سانسکریت نیز می رساند که کشمیر در دورهٔ پادشاهان ساسانی تحت نفوذ ایران قرار گرفته بود.[۳] از طرف دیگر افکار مذهبی و عادات و رسوم ایرانیان نیز توسط

---

۱ سبک شناسی تالیف ملک الشعرا بهار ج ۳ ص ۲۵۶ - ۲۵۷

۲ Handbook of Kashmir Archaeological and Numismatic section of the S. P. Singh Museum Srinagar — Pages 64-65.

۳ راج ترنگنی ترجمهٔ ستاین کتاب پنجم صفحه ۲۱۰ (جلد اول) یادرتی چاپ موتی لال بنارسی داس دهلی

مبلغین دین بودائی کشمیر متأثر گردیده است ۔ دین بودائی در کشمیر در زمان پادشاه اشوک در سال ۲۵۰ قبل از مسیح شیوع یافته و کشیشان بودائی از کشمیر برای توسعه دادن این دین با ایران و گندهارا (کابل کنونی) میرفتند[۱]

بعد از قرن هشتم میلادی کشمیر تحت فشار سیاسی و تمدنی اسلام کم کم مطیع شد ۔ اگر چه راجا للتادتیا (۷۲۵-۷۵۳ میلادی) تهاجم عرب از جانب سند و سنگرام راجا (۳۹۲-۴۲۷ھ) دو حمله بزرگ از سلطان محمود غزنوی را با موفقیت رد نمودند، اما راجگان حکومت کشمیر در برابر تراوش افکار تمدن جدید نتوانستند سدی ببندند ۔ وجرادتیا (۷۵۳م) پسر للتادتیا اقداماتی بر وفق مسلمین، که در شمال هند بنیان یکی از نیرومند ترین حکومت های آسیا گذاشته بودند، بعمل در آورد[۲] و همچنین جانشینان وی، بر اثر نفوذ سربازان ترکی که (غزنویان) آنان را در ارتش خود استخدام مینمودند، انواع لباس و رسوم آنان را ترویج دادند[۳] در نتیجه استقرار حکومت ترکان در شمال هند، چنانکه ذکر شد، در رفت و آمد و حتی استخدام مسلمانان ترک نژاد در ارتش کشمیر تأثیر تمدن ایران روز بروز استوارتر گردید ولی با وجود این، بعلت کوهسارهای بلند و برج و باروهای طبیعی که دره کشمیر را احاطه میکرد، روابط تمدن و فرهنگ کشمیر با دنیای خارج اجبارا محدود بود و فقط هنگام استقرار و تأسیس حکومت مسلمانان در قرن چهاردهم میلادی در کشمیر، روابط مستحکم تر و پایدار تر، با ایران، بمعنی اعم، بوجود آمد ۔

در قرن سیزدهم میلادی مغولها از وطن خود شان بیرون آمده بر قسمتهای مهم اروپا و آسیا مسلط شدند ۔ در سالهای ۱۲۵۳م و ۱۲۶۳م کشمیر نیز هدف حمله شان

---

[۱] برائے مطالعه بیشتر از نفوذ مذهب بودائی در کشمیر رجوع شود به نسخه های گلگت (انگلیسی) تالیف دکتر نالی ناکشا دت ج ۱ چاپ کلکته ۔

[۲] ایضا راج ترنگنی ج اول

[۳] ج ۲ کتاب هفتم ص ۹۰م ۱۱ و کتاب هشتم ص ۸۸۵ و ۸۸۶

قرار گرفت و در سال ۷۲۴ھ (۱۳۲۰ میلادی) سیل حملهٔ مغول بار دیگر بسرداری ذوالقدر خان[۱] که در کشمیر و در تذکره‌ها و تاریخ‌های کشمیر باسم ذوالچو یا ذوالجو معروف است، در کشمیر رخنهٔ عظیمی بوجود آورد. سهدیو، پادشاه کشمیر (۱۳۰۱-۱۳۲۰م) بر خلاف

(رجوع شود به صفحهٔ ۸۰)

---

[۱] جون راج (وفات ۱۴۵۹ میلادی) مورخ دربار سلطان زین العابدین پادشاه کشمیر (۱۴۲۰-۱۴۷۰م) او را باسم زلچو یا زلاچا خوانده است. تذکره نویسان کشمیر وی را بنام ذوالچو و ذوالقدر خان یاد می‌کنند. (رجوع شود به واقعات کشمیر از خواجه محمد اعظم دیده مری چاپ کشمیر ۱۹۳۶م ص ۲۷؛ تاریخ کشمیر از نارائن کول عاجز؛ تاریخ حسن چاپ کشمیر ج ۲ ص ۱۶۲). مؤلف واقعات کشمیر زولچو (ذولچو، ذوالچو یا ذوالجو) را اسم ترکی و او را از اهالی ترکستان شمرده. مؤلف نام برده می‌نویسد "... و ذولچو نام ترکی از ترکستان ... ... ظاهرا از فرقهٔ منسوبان هلاکو خان بود." و صاحب تاریخ حسن چنین آورده: "در ۷۲۴ھ ذوالقدر خان که از بنای هولاکو خان بن چنگیز خان بود و مردم کشمیر او را ذوالچو میگویند با جمعیت هفتاد هزار سوار جرار از ترکستان براه کابل آمده امصار بسیار را قتل عام نمود پس اشهب عزم را بجانب کشمیر جولان داده اول بهار در ملک رسید ...." صاحب تاریخ فرشته، و ابوالفضل صاحب آئین اکبری و نظام الدین مؤلف طبقات اکبری، ذوالقدر خان را فرمان دار ارتش پادشاه قندهار دانسته ولی پروفسور محب الحسن در کتاب خود کشمیر زیر فرمان سلاطین (بزبان انگلیسی) نظر این هر سه مورخ آخر را رد و نظر صاحب واقعات کشمیر و مؤلف تاریخ حسن را تائید نموده است و اضافه نموده که ذوالچو اساساً مغول نژاد بوده که بر عقاید و دین اجدادی خودش پابرجا بود." (نگاه کنید به همین کتاب ص ۳۲-۳۴)؛ پاندیت آنند کول مؤلف جغرافیه جامع کشمیر (بزبان انگلیسی) معتقد است که ذوالقدر خان معروف به ذوالچو اهالی کشمیر را بزور در دین اسلام در آورد (نگاه کنید به همین کتاب ص ۷۵ چاپ کلکته). ولی نظر آقای کول مبنی بر تعصب دینی است و وی بسیاری از پادشاهان مسلمان و استانداران کشمیر را بلقب بت شکن یاد نموده آن‌ها را متهم نموده است

(بقیه پاورقی رجوع شود به صفحهٔ ۸۰)

که آنان برای تغییر دین زور و جبر را بخرج داده اند- ذوالقدر خان، چنان که گفتیم، مسلمان بنوده- وی منگول نژاد بوده و فقط برای منظور تاخت و تاراج و بغارت بردن اموال و اسیر نمودن زن و بچه هاے اهالی کشمیر (که غیر ازین منگولها، چنان که تاریخ شاهد است، هدف دیگری نداشته اند) به کشمیر حمله برد، و بعد از هشت ماه کشت و کشتار هنگامیکه آتش کینه توزی و مردم کشی وی فرونشست از کشمیر خارج شد و در بین راه بعلت طغیان برف در کوه های شمال کشمیر با ارتش خود زیر برف گم شد و بسزای اعمال خودکش رسید- اگر هدف ذوالقدر خان چنانکه پاندیت کول نوشته، فقط اهالی کشمیر را بزور بدین اسلام در آوردن میبود، اصلاً از کشمیر خارج نمی شد- تا وقتیکه کاملاً بهدف خود نمی رسید و یا اگر کشمیر را ترک هم میکرد، بعد از خود جانشینی را برای اجرای منظور خود مامور میساخت. ولی جمله تذکره و تاریخ نویسان کشمیر چه مسلمان و چه غیر مسلمان، راجع به مغالیت هاے دینی ذوالقدر خان چیزی ننوشته اند و متفق اند که وی کشمیر را مثل یک مغول راهزن و آدمکش تاراج نموده اموال اهالی کشمیر را بغارت برد و همین که بمنظور خود نایل آمد، کشمیر را ترک نموده رهسپار وطن خودش گردید ولی در بین راه از طغیان برف در کوه های شمال کشمیر، چنانکه گفتیم، زیر برف فرو رفت (نگاه کنید به واقعات کشمیر، تاریخ حسن- تاریخ تبت مغربی تالیف آ- اِچ- فرانک ص ۶۸- ۶۹- ۷۸ (بزبان انگلیسی)- تاریخ کشمیر تالیف پاندیت بیربل کاچرو- تاریخ کشمیر پاندیت نارائن کول عاجز- درهٔ کشمیر از: سر- والتر لارنس (انگلیسی)- اگر بالفرض ذوالقدر خان نقش تغییر دین اهالی کشمیر را بزور بعمل آورده، آیا وقتیکه او از کشمیر خارج شد اهالی کشمیر که همه آنها برهمن مذهب و از هزاران سال بر دین خود ثابت و پابرجا بودند نمی توانستند فوری، بدین خود شان برگردند؟ آیا، چنانکه تاریخ شاهد است، هیچ جنبش فکری و یا تاسیس دینی و یا حکومتی در دنیا برخلاف تاویلات عامه مردم، حتی اگر بزور و تعدی هم آن را استوار کرده باشند، ثابت مانده و رشد نموده است؟ هرگز! پس معلوم است عقیدهٔ پاندیت آنند کول که چندی از پادشاهان و استانداران مسلمان کشمیر را متهم ساخته که آنان اهالی کشمیر را بزور و تعدی در مذهب اسلام آوردند، مبنی بر تعصب دینی

(بقیه پاورقی بر صفحه ۸۰)

آنکه بایستی تا آخرین لحظه مقاومت کُند، با وضعی ننگین از کشمیر فرار کرد و اهالی کشمیر را بدست مغولهای خون آشام سپرد و آنان با فجیع ترین وضعی مردان را کشتند، خانه های شان را آتش زدند و زن و بچه های شان را اسیر و اموال شان را بالغارت بردند. مغولها بعد ازین کشتار و غارت که هشت ماه طول کشید کشمیر را ترک نمودند و اهالیان را بروز سیاه نشاندند. بی نظمی و وحشت و هراس باقی ماندگان بیچاره را چنان فرا گرفت که هنوز هم که بیش از شش صد سال از آن حادثهٔ مرگبار و دردناک میگذرد، مادران کشمیری اطفال خود را هنگام گریه با بردن نام سردار مغول ساکت میگردانند.

غیبت یک حکومت منظم، شاهزادهٔ بودائی مذهب از لداخ[1] (که در آن زمان استانی بود مستقل و اکنون شامل استان کشمیر میباشد) موسوم به رینچن[2] را فرصت داد که تخت پادشاهی کشمیر را بچنگ آورده خود را پادشاه کشمیر اعلام کُند. رینچن توسط سید شرف الدین معروف به بُلبُل شاه مشرف بدین اسلام

(مربوط به پاورقی صفحه ۷۹)

و عاطفهٔ اسلام دشمنی وی میباشد. و اینکه گفته که ذوالقدر خان بزور اهالی کشمیر را بمذهب اسلام در آورده شاهد بر بی خبری وی از تاریخ کشمیر که (میهن وی است) میباشد.

۱ـ لداخ در انتهای کوه های شمالی کشمیر، که ارتفاع آنان از هفده هزار فت تا بیست و گاهی به بیست و پنج هزار فت میرسد و از سرینگر پای تخت کشمیر بیش از دویست و پنجاه کیلومتر فاصله دارد، واقع شده. اهالی لداخ پیروان دین بودائی و اسلام میباشد. در میان طبقهٔ مسلمین تعداد شیعه ها بیشتر و شغل شان تجارت پشم میباشد.

۲ـ صاحب تاریخ حسن اسم وی را رینچن و مؤلف واقعات کشمیر رنچو نوشته، ولی اسم کامل وی لهاچن گیال بو رینچن و اسم پدرش لهاچن نوروپ گون بود (نگاه کنید به: تاریخ جموں از مولوی حشمت الله خان. چاپ لکهنؤ ۱۹۳۷م، ص ۲۲۹). راجع به رینچن چیزی در تاریخ های لداخ نیامده ولی گمان میرود که بنا بر لقب گیال بو (بمعنی شاپور) هرگز به پادشاهی آن دیار نرسیده و در نتیجهٔ قتل پدر وی از دست دشمنان، دیار را ترک گفته به کشمیر پناهنده شد. زمانی که ذوالقدر خان کشمیر را غارت نمود و

گردید[1] و لقب سلطان صدر الدین اختیار نموده سه سال (۱۳۲۰ – ۱۳۲۳م) پادشاهی کرد۔ صدر الدین اولین پادشاه مسلمان بود که بر تخت سلطنت نشست۔ سلطان صدر الدین برای برقرار ساختن روابط یگانگی و قربت با خانواده..

رام چندر که صدر اعظم پادشاه کشمیر راجا سهدیو بوده، در قلعه ای واقع در ده گگن گیر پنهان شد۔ رینچن و شاه میر (که یکی از لداخ و دیگری بقول صاحب تاریخ حسن از سوات (در پاکستان) امده اجانب و از خانواده های آبرومند بودند) هر دو با وی همراه بودند۔ بعد از خارج شدن ذو القدر خان هنگامیکه رام چندر برای استقرار اطمینان و آرامش تازه تلاش ها میکرد۔ بقول مولوی حشمت الله خان صاحب تاریخ جموں" قومی دیگر " علیه وی شوریدند و دست بغارت و کشتار زدند — (تاریخ جموں ص ۲۳۷) [بقول صاحب تاریخ حسن این شورشیان دو فرقه ای بود موسوم به کهان که در کوه ها بسر میبردند و در حدود مراج غارت کرده از غلات و حیوانات و مال و متاع هر چه دریافتند بغارت بردند۔ و مصیبت زدگان کشمیر از تطاول فرقه کهان خایف گشته بجانب رام چندر رجوع کردند —" تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۷۶]

رام چندر، شاه میر و رینچن هر دو را برای رفع نمودن طغیان مامور ساخت۔ رینچن با ایشان دادن شهامت فوق العاده خود شورش گران را دستگیر کرده بسزای اعمال رسانید، و در سراسر دره آرامش را برقرار ساخت۔ اهالی کشمیر تحت تاثیر استعداد و کاردانی کم نظیر رینچن قرار گرفته وی را بسیار ستودند۔ رینچن از اوضاع نامنظم استفاده برده دست بدخالت امور سیاسی و ملکی زد و عاطفه هوس پادشاهی کشمیر در وی بجنبش در آمد و رام چندر را که در اندرکوت بسر میبرد، غافل گیر نموده کشت و تخت سلطنت کشمیر را تصرف نمود۔ [نگاه کنید به واقعات کشمیر ص ۲۸ تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۶۰)

[1] سال تاریخ اسلام آوردن رینچن ۷۲۰ھ است و نیز در این واقعه گفته اند: طلوع آفتاب دین احمدی (نگاه کنید بر تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۶۰)

رام چندر، با دختر وی موسوم بر کوتارانی[1] ازدواج کرد. و بعد از گرویدن بدین مبین اسلام بدست بلبل شاه[2]، چنانکه گفتیم، نه فقط امیران و وزیران دربار را برای پذیرفتن این دین حق پرست که بسیار تحت تاثیر آن قرار گرفته بود، توصیه

---

۱. بقول خواجه محمد اعظم صاحب واقعات کشمیر اسم وی "کوته رین بود و کوته رین بزبان کشمیری ماده کبوتر را گویند" (واقعات کشمیر ص ۳۱)

۲. صاحب واقعات کشمیر درباره این مرد خداشناس و حق پرست می نویسد: "اسم مبارک آن جناب قدوة الواصلین، امام العارفین مروج الاسلام کاسر الاصنام حق آگاه مؤید الدین حضرت بابا بلبل شاه قدس الله سره الاقدس، که بامر مرشد بزرگوار خود بروایت متواتره مشهور، بلکی مکان از وطن برآمده همان وقت در این جا حاضر شد و در بعض کتب دیده شد که بامر مرشد بجهت اشاعت اسلام پیش ازین ایام در زمان سهدیو به کشمیر انتظار این امر خطیر داشتند. در تعیین مرشد آن جناب اختلاف است. اکثری از ارباب تواریخ آن جناب را منسوب بر جناب حضرت شیخ الشیوخ شهاب الحق و الملة والدین السهروردی قدس سره میکنند بلکه متبنای آنحضرت میدانند. جمعی از متوسلان و فرزندان معنوی شاه نعمت الله ولی که از منسوبان و مخصوصان حضرت شیخ الشیوخ است می نویسند. اما احقر الامم محمد اعظم راقم این حروف میگوید که واقعه حضرت شیخ الشیوخ در سال ششصد و سی و دو متفق علیه است و ظهور حضرت بابا بلبل شاه در سال هفتصد و بیست و پنج در کشمیر اتفاق افتاده بود. یک صد و سه سال درمیان است [باید که صد و هفت سال باشد. نه صد و سه سال که گویا غلط چاپی است. نگارنده مقاله]. برین تقدیر بر توسل ایشان بلا واسطه بآن جناب بظاهر بعید می نماید والعلم عندالله تعالی" (واقعات کشمیر ص ۳۰) وهمین مؤلف جای دیگر چنین آورده: "... مخفی نماند که جناب حضرت بابا را بعضی ها به شاه بلبل موسوم کردند و بعضی ها شاه بلالی میگویند. عالم بودند بفنون علوم صورت و معنی، و سیاحت بسیار کرده و بظاهر و باطن تفرید و تجرید داشته. میگویند سید شرف الدین نام اصلی ایشانست..." (واقعات کشمیر ص ۳۱)

بقولِ دکتر محی الدین صوفی مؤلف کشیر اسم بُلبُل شاه، بلال شاه و یا سیّد بلال بوده. آقای صوفی می نویسند: "... رینچن در آغاز قرن چهاردهم میلادی بدست سیّد بلال معروف بر بُلبُل بدینِ اسلام در آمد."

آنکه در راه الٰهی روشن از بدر و هلال | بُلبُل باغ ولایت شاهباز لامثال
شُد بہ کشمیر اوّل از دستش در نعمت دین نهال | شیخ و مُرشد عارفِ حق حضرت بابا بلال

(اسرار الابرار تالیف بابا داوُد مشکواتی)

گویند کہ بلال شاه یا بُلبُل شاه در زمان راجہ سہدیو بہ کشمیر آمد. برخی این سیّد را بنام عبدالرحمٰن و بعضی دیگران سیّد شرف الدین و گروهی سیّد عبدالرحمٰن ترکستانی یاد کرده اند ولی مُسلّم است کہ وی از طایفۂ سادات موسوی ترکستان بوده و سیاحت بسیار نموده. مدّتی در بغداد گذرانده و این بُلبُل شاه مرید شاه نعمت الله ولی فارسی (یکی از خلفای طریق سہروردیہ) بوده است." (کشیر (انگلیسی) ج ۱ ص ۸۲)

بقول مفتی محمّد صدر الدین مؤلف احسن التواریخ اسم بُلبُل شاه، سیّد عبدالرحمٰن بوده است. مؤلف نامبرده می نویسد: "تا عهد ۷۲۵ هہ در بلادِ کشمیر اسلام شایع نبود. در اس وقت رینچن شاه بدست حضرت سیّد عبدالرحمٰن قلندر الملقب بہ بُلبُل شاه باجمِ غفیر اسلام قبول نمود...." (احسن التواریخ تالیف مفتی محمد صدر الدین کتاب خانۂ شخصی مفتی بشیر الدین شیخ الاسلام کنونی. شماره کتاب ۳۶۸) و همین مؤلف در تذکرۂ دیگر خود موسوم بہ تذکرة الصادقین نیز بُلبُل شاه را بہ همین نام یعنی سیّد عبدالرحمٰن بُلبُل شاه و یاد میکند. (نگاه کنید بہ تذکرة الصادقین تالیف محمّد صدر الدین کتاب خانۂ شخصی مُفتی بشیر الدین شیخ الاسلام کنونی. فصل پنجم از رکنِ اربع. شماره کتاب ۳۷۱) ——— با وجود این اختلافِ آرا دربارۂ اسمِ وی، چون بلقبِ بُلبُل شاه معروف گشته، اهالی کشمیر وی را با همین نام یاد میکنند. در مورد چگونگی لقب بلبل شاه در عوام مشهور است کہ وی مجذوب بوده و موهای بلند و ژولیده بقدری داشتہ کہ از دُور مثل آشیانۂ بُلبُل جلوه میکرد و بعضی را عقیده بر آنست کہ بُلبلان آشیانۂ خود را روی همین موهای بلند و ژولیدۂ وی ساختہ بودند. ولی بنظر من این صحیح نیست چون مردی کہ مجذوب باشد نمی تواند با دلایل و براهین قانع کنندہ کسی دیگر را مایل

(بقیہ پاورقی بر صفحه ۸۴)

بدین خودش بکشند۔ مجذوب ہمیشہ از علایق دینوی وحتیٰ از حواس ظاہر خودش بی تعلق میباشد۔ پس کسی کہ در چنین وضع وحالت جذبہ زلیست میکند چطور میتواند کسی دیگر را [و آن ہم پادشاہ عاقلی مثل رینچن را کہ خودش مردی دین دار بوده است و بلغ وبنبال دینی میگردیده است کہ آرامش قلب و روح را بوی ببخشد و بعد ہمان دین را بہ عامۂ مردم کہ اختلاف مذہب داشتہ عرضہ کند تا فقط دینِ واحد را ترویج بدہد۔ نگاه کنید: تاریخِ حسن ج ۲ ص ۱۶۶ و واقعاتِ کشمیر] بدینِ خودش در آورد مگر اینکہ مردی عالم و فاضل و فقیہ و متشرع و عارف باسرارِ الٰہی بوده باشد۔ مسلم است، کہ بلبل شاه مردی ہوش مند و عالم و فاضل کم نظیری بوده است کہ ببراہین قانع کننده و دلائل روشن پادشاہ بودائی مذہب کشمیر را بدینِ اسلام مشرف گردانیده و چنانکہ برخی عقیده دارند، مجذوبانہ وقلندروار با موہای بلند و ژولیده حامل آشیانہ ہای بلبلان؛ آواره و سرگردان نبوده است۔ تذکره نویسان کشمیر راجع بہ چگونگی آوردن اسلام از رینچن شاه اشاره ہای صریح بہ نماز گذاردن، بلبل شاه نموده کہ دلیلی واضح است براین کہ بلبل شاه دارای سلامت فکر بوده است و اگر مجذوب میبود نمی توانست مثلِ عاقل سالم نماز بگذارد و باپیش نہاد عاقلانہ و نظریاتِ استوار رینچن شاه را بدینِ اسلام در آورد۔ مؤلف تاریخِ حسن در مورد قبولِ اسلام از رینچن مینوسد: " وقتیکہ رینچن کہ بہ مذہب بہود بود بر سریر جہانبانی استقلال یافت و بکثرتِ اختلاف مذاہب و ملل مذہب اصلی را خلل دیده خواست کہ در ملک ماتحت خود یک ملت مروّج سازد۔ چونکہ دخول مذہب شیوه متعذّر بود و در مذاہب دیگر متردّد ماند، پس با دل خود سنجید کہ فردا کسی کہ اوّل صبح می بینیم بر مذہب او گرایم۔ بامدادان جناب سید شرف الدین ملقّب بہ بلبل شاه رحمۃ اللہ دید کہ بر ساحل آنروی دریای بہت نماز میخواند۔ نماز و نیاز او پسندیده با اہل و عیال خود بہ مذہب گروید و طوقِ اسلام بگردن انداختہ خود را بملک صدر الدّین ملقب ساخت...." (تاریخِ حسن ج ۲ ص ۱۶۶)

صاحبِ واقعاتِ کشمیر درین مورد چنین منیگارد: " (رینچن) صبح بر منظر خود نشستہ و بکمال جانکاہی دل بر فضل و عنایتِ الٰہی بستہ نظر اولش بر سمتِ قبلہ

(بقیہ پاورقی بر صفحہ ۸۵)

جانب دریا افتاده، می بیند که بزرگ عالی مقداری فرشته دیداری بر مصلای سنگین باکمال تمکین بالای مشرب در غایت ادب بر قانون دین سُنیه مصطفویه محمدیه علی صاحبها الصلواة والسلام ادای نماز بکمال نیاز میکند- این طریقه برگزیده رادیده بسیار پسندیده بملازمت آن بزرگوار شایق و خواهان گردیده بی تامل بدریافت خدمتش بر تعجیل دویده بعد ادای لوازم ادب و خدمت از حقیقت دین و آئین پرسید؛ آن جناب بیان ملّت مصطفویه علیه السلام فرمود و بعد توضیح مبانی شرع و ایجاز مقدمات اصل و فرع تلقین دین اسلام نموده و باز معجزات حضرت سیّد البریات مفخر الکائنات علیه افضل الصلوات والتسلیمات برای ترغیب شاه مذکور بیان فرمود تا بصفای و پاکی اعتقاد بسعادت اسلام مشرّف شُد......" (واقعات کشمیر ص ۲۹-۳۰)

اما راجع به لقب بُلبل شاه میتوان گفت که گویا اسم اصلی وی سید بلال شاه بوده که باین لقب تغییر یافته و یا اینکه ممکن است هر صبح عادت داشته که بُلبلان را چیزی مانند دانه کشمش میخورانیده (هنوز هم بعضی از مردم در کشمیر هر صبح بُلبلان را کشمش میخورانند) و در نتیجه بُلبلان در تعداد بسیاری دور و بر او جمع میشد. و بدین سبب ازین لقب معروف گشته- در اغلب موارد آدم از کار فوق العاده ای که از دستش بر می آید معروف میگردد ولی بعلّت عادت برجسته و مشهود نیز شهرت می یابد-

در مورد فعالیّت های تبلیغی و دینی سیّد شرف الدین بلبل شاه اطلاعاتی در دست نیست ولی آنکه مُسلّم است وی مردی عالم و فاضل و از حقایق و شریعت اسلام و اسرار عرفانی بقدری آگاه بوده است که در دیار بیگانه ای که سرتاسر آن مذاهب و عقاید مختلف غیر از دین اسلام رائج بود، دیرزمانی دین اسلام را بُنیاد نهاد و پادشاه آن دیار را با عیال و همراهانش مُسلمان ساخت- بقول مؤلف تاریخ کبیر، مولانا احمد علّامه رفیق وی نیز با وی همراه بوده است [تاریخ کبیر تالیف حاجی محی الدین مسکین- چاپ امرت سر ۱۳۲۲ ه ص ۲۸۹]- سال تاریخ اسلام آوردن پادشاه کشمیر و وزیران دربار وی و جمعی از اهالی کشمیر ۷۲۶ ه

نمود، بلکه سعی کرد تا آن را توسط مساعی مبلغین نومسلم، تحت راهنمائی سید شرف الدین بلبل شاه توسعه دهد۔ وی برائے اشاعهٔ دین اسلام تسهیلاتی فراهم آورد و مسجد و خانقاه را برای تدریس و تعلیم اصول دین اسلام بنا نهاد۔ ولی پادشاه مذکور باین همه نمی توانست رشد نهال اسلام را که تازه در کشمیر کاشته بود بچشم خودش تماشا کند۔ پیک اجل وی را فرصت نداد و فقط بعد از پادشاهی که مدت آن سه سال بود جان بجان آفرین سپرد[۲۰] و در محوطهٔ خانقاه بلبل شاه آسود۔ (۱۳۲۳) (۷۲۷ هـ) ٭ (باقی دارد)

بوده است۔ "طلوع آفتاب دین احمدیؐ"۔ نیز همین سال تاریخ را میرساند (تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۶۶)

سلطان صدر الدین برای بلبل شاه خانقاهی رفیع برکنار رودخانهٔ جهلم که از میان شهر سرینگار میگذرد بنا نهاد و این اول خانقاه اسلامی در کشمیر میباشد بقول صاحب تاریخ حسن: "در انجا برای آمد و رفت مسافران و محتاجان لنگر جاری ساخت و بجهت مصارف مطبخ و اخراجات خانقاه چند قریه از پرگنهٔ ناگام تعیین فرمود که تا زمان شاهان چغتہ بدستور معمول بود و فقرا و مساکین از انجا اشبه میخوردند بدین جهت آن محله را بلبل لنگر میگویند...." (تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۶۷) این خانقاه در محله بلبل لنگر (واقع در سرینگار برکنار شرقی رودخانه جهلم) هنوز آباد و پابرجاست ولی گویا بصورت اولی نیست و مجدداً ساخته شده است و با شکوه تمام عظمت اولینش را بیاد می آرد۔ مسجدی تازه در محوطهٔ خانقاه بنا گردیده که بر عظمت و شکوه آن افزوده است۔

سید بلبل شاه در سال هفتصد و بیست و هفت هجری وفات کرد "و از کمال تواضع عقب قبر رفیق خود مولانا احمد علامه قدس سرهٔ جای دفن مقرر فرمود۔" (واقعات کشمیر ص ۳۱)۔ قبر سید بلبل شاه در محوطهٔ خانقاه مذکور هنوز هم زیارت گاه مسلمانان کشمیر میباشد۔ مؤلف واقعات کشمیر در بارهٔ سال وفات وی گفته

سال تاریخ وصل حضرت شاه   بلبل قدس گفت خاص اله

(بقیه بر صفحه ۸۷)

سلہ این مسجد هنوز هم در محوطهٔ روضهٔ حضرت میر محمد امین اویسی رح بر گوشهٔ صحن کنارِ رودخانه جهلم پابرجاست۔ در زمانِ سُلطان صدر الدین این مسجد بس بزرگ بوده و با تزئینات لازم و سنگهای تراشیده و صیقل شده ساخته شده و بنام مسجد جامع معروف بوده سُلطان مذکور نماز جمعه را در همین مسجد میگذارد بعد این مسجد دو چار حریق گشته و بجای آن مسجدی کوچکتر که هنوز هم آباد و بجاست بنا شده و از سنگهای همان مسجد جامع بنیاد آن را نهادند و تا نصف طبقهٔ اوّل آن سنگها هنوز مشهود میباشد۔ (رجوع شود بر واقعاتِ کشمیر ص ۳۰۔ تاریخِ حسن ج ۱ ص ۳۱۶ – ۳۲۱ – تاریخ کشمیر از حیدر ملک چادوره نسخهٔ خطی شماره ۴۲ کتابخانهٔ تحقیق و اشاعت دولتِ کشمیر ص ۳۸) - این مسجد هنوز هم موسوم بر مسجد رینچن شاه است۔

سلہ در پاورقی ص ۳۲۲ تاریخ حسن ج ۱- تاریخ وفات سُلطان صدر الدین ۷۲۳م برابر با ۷۲۳ھ آمده است و این سال هجری دُرست نیست چون در جلد دوم همان تاریخ روی صفحه ۱۶۵ سال تاریخ جلوس نمودن سُلطان صدر الدین بر تختِ پادشاهی کشمیر ۷۲۵ نوشته شده - و نیز اگر طبق همین پاورقی مدّت حکومت صدر الدین سه سال و سه ماه و نوزده روز بوده باشد پس باید سال تاریخ سُلطان مذکور ۷۲۸ھ باشد و نه ۷۲۳ھ که غلط فاحش است۔ (رجوع شود به پاورقی تاریخ حسن ج ۱ ص ۳۲۲) ؛

ڈاکٹر کے، این پاندیت:

امثال و حکم فارسی در کشمیری

نفوذ فرهنگ ایرانی در موارد بسیاری در زندگی کشمیریان دیده می شود۔ مهمتر از همه زبان آنان است۔ (بیک امثال و حکم زبان فارسی را که عیناً با همان شکل و صورت و معنی و یا با کمی تغییر و تحریر در کشمیری بکار میبریم می آوریم۔ نفوذ این امثال و حکم تصوری است که با وجود سعادل آن در کشمیری باز آنها را به اصل خودش یعنی زبان فارسی می آرند۔ و در نتیجه این مثلها جزو زبان کشمیری شده است۔ حتی مردم بی سواد هم بعضی از این مثلها را بطور عادی بکار میبرند۔

آب آبادی است : با کمی تغییر مورد استعمال است، یعنی "هر جا که آب است خدا است"

آبادی مے خانه ز ویرانی ماست : بر همین معنی تقریباً در میان کشمیریان رواج دارد۔ معادل آں مثل ۔" در ها آباد و کشور ویران، در ها ویران و کشور آباد ۔" داریم۔ در یکی از این خانواده بزرگ برهمنان کشمیر است و اعضای آں طی قرون متمادی مقام شامخ را احراز کرده بودند و در حکمرانی کشمیر نفوذ زیادی میداشتند۔ مسکن آنها در محلی بنام صفاکدل در سری نگر میباشد۔ چون در سیاه و سپید امور مملکت خیلی دخالت داشتند بنا بر این مثل مذبور میان ظریفان کشمیر رواج یافت۔

آب از سر گذشتن : این مثل را با کمی تغییر میاریم "سیل از سر گذشت ۔"

آب با غربال پیمودن : در کشمیری میگوئیم "آب توی آسبد ریختن ۔" در فارسی نیز "آب بکیل پیمودن یا آب در هاون سودن" داریم بمعنی عملی بے فایده کردن۔

آب در دهان آوردن : ترجمه اش را بکار میبریم ــــ یعنی بر چیزی میل و رغبت پیدا کردن۔

آب بر آتش زدن : ترجمه بمعنی فتنه را نشاندن۔ و برهمنان آن گوئید

"نفت بر آتش ریختن۔" یعنی فتنه را بر انگیختن۔

آب حیات: هر چیز که زندگی بخش و سودمند باشد می گویند آب حیات است۔

آب در جوی داشتن: می گوییم آب باز در جوی آمد۔" یعنی اوضاع به سابقه برگشت۔ و بر معنی و شکل اصیل نیز مورد استعمال می باشد۔

آب در دیده نداشتن: ترجمه مورد استعمال است یعنی شرم و حیا را رعایت نه کردن۔

آب زیر کاه: ترجمه اش رابکار میبریم یعنی آدم زرنگ و ریاکار که فردوسی درین بیت گفته است:

بگفت سیاوش بخندید شاه   نبُد آگه از آب در زیر کاه

آب را گل آلود می کند و ماهی گیرد: گاهی فقط قسمت اویش را بکار میبریم یعنی فلان میان دوستان بغض و شقاوت ایجاد می کند تا خود ازان اوضاع سود ببرد۔ مثلی دیگر در فارسی "دزد بازار آشفته می خواهد۔" ترجمه اش رابکار میبریم

آب که از سر گذشت چه یک گز چه صد گز: میگوییم آبی که از سر گذشت یک نیزه و هزار نیزه۔ یا آب چو از سر گذشت چه یک نیزه چه هزار نیزه۔

آب ندیدن و موزه کشیدن: عیناً استعمال می شود۔ حتی هیچ کلمه ازان کم یا بیش یا ترجمه نمی شود۔

آدم پول پیدا میکند پول آدم را پیدا نمیکند: ترجمه عینی آن رابکار میبریم۔ هم چنان که سعدی گفته است۔ مال از برای آسایش عمر است نه عمر بهر گرد آوردن مال۔

آدم بامید زنده است: ترجمه اش مورد استعمال است۔

آدم تکیه اش نگاه می کند: در وقتی میگویند که کسی ولخرج باشد۔ می گوییم "توی جیب خود نگاه کن۔" (البته ترجمه اش)

آدم تا کوچکی نکند بزرگ نشود: می گوییم ار کوچک نیستم بزرگ نخواهیم شد (البته ترجمه اش)

آدمی بعیب خویش نابینا بود۔ مثلی که باین معنی می آریم اینست "آدمی عیب خود را معشوق می داند۔" (البته ترجمه اش)

آدمی جایز الخطاست: می گوییم "بنده بشر است"۔ و باز به همین مناسبت

میگوییم "از کودکان خطا و ز بزرگان عفو" - و باز میگوییم "نسیان خاصهٔ انسان است -" (ترجمه اش)

آدمی را آدمیت لازم است - میگوییم انسان باید دارای انسانیت باشد (ترجمه)

آدمی فربه شود از راه گوش : عیناً به همین معنی و شکل مورد استعمال است - اصلش از مولوی است -

آرد خود را بیختیم و آرد بیز برآویختیم : به این معنی استعمال می کنند که ما وظیفه خودمان را انجام دادیم و دیگر راحت نشسته ایم - معمولاً چون زنان برای ضبط تولید زیر عمل جراحی میروند، بشوخی با نها می گویند "آرد خود را بیخته اید و آرد بیز را آویخته اید -"

آزموده را آزمودن پشیمانی است : یا آزموده را ازمودن خطاست - به همین شکل مورد استعمال است -

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است : با دوستان مروت با دشمنان مدارا
این بیت خواجه حافظ شیرازی رح را به همین معنی بدون تغییر بکار میبرند -

آش در کاش : غالباً آش از سانسکریت گرفته شده بمعنی امید - یعنی باز با خدا امید داریم - البته مفهومش بکلی واضح نشد -

آسیا بنوبت : یعنی حق تأخر و تقدم را رعایت کردن - (ترجمه)

آفتاب کوهی : درباره پیرمردی میگوییم که قریب به مرگ باشد -

آمدن بارادت رفتن باجازت : عیناً به همین معنی بکار برده میشود -

آتش فرو نشست : به همین شکل و صورت بکار برده میشود بمعنی آنکه فتنه بانجام رسید - (ترجمه)

آنانکه غنی ترند محتاج ترند : این مصرع عیناً به همین معنی و شکل بکار برده میشود اصلش از سعدی است یعنی ؎

درویش و گدا بندهٔ این خاک درند   آنانکه غنی ترند محتاج ترند

آنچه اندر آئینه بیند جوان - پیر اندر خشت بیند پیش ازان
این شعر مولوی رومی رح با کمی تغییر میآریم و معمولاً این شعر را بکار می بریم -----

۵ آنچه در آئینه جوان بیند — پیر در خشت خام و آن بیند

آنچه بخود نپسندی بدیگران مپسند : این مثل عیناً بکار میبریم۔ اصلش از سعدی شیرازی است :۔

هرچه بر نفس خویش نپسندی — نیز بر نفس دیگران مپسند

آنچه شیران را کند روباه مزاج ۔ احتیاج است احتیاج است احتیاج

این شعر مولانا را بدون هیچ تغیر بکار میبریم

آن دفتر را گاو نخورد : عیناً بکار برده میشود۔ ظهوری ترشیزی میگوید :

" ارسال حساب گاو تازی دگر است گاو آمد و خورد دفتر پارین را "

درویش هر کجا که شب آید سرای اوست : معمولاً فقط این مصرعہ دوم را بکار میبریم۔ بیت از سعدی است ؎

آن را که جای نیست همه شهر جای اوست ۔ درویش هر کجا که شب آید سرای اوست

آنرا که حساب پاک از محاسبه چه باک : عیناً به همین شکل و معنی بکار برده میشود

آن سبو بشکست و آن پیمانه ریخت : به همین شکل مورد استعمال است اما در میان عامهٔ مردم۔ گاهی میگویند آن قدح بشکست، و آن ساقی نماند۔

ارزان به علت گران بحکمت : این مثل را عیناً به همین شکل بکار میبرند۔ معنی اش اینکه هر چیزی که کسی میخواهد ارزان بخرد، خالی از نقص و علت نباشد و هرچه که گران بخرد محکم و استوار باشد۔

از الف تا یا دانستن : یعنی از سر تا بن کاری آگاه بودن۔ به همین صورت مرسوم است۔

از این شاخ بآن شاخ پریدن : بر یک چیز قانع و دلبسته نبودن۔ به همین معنی بکار برده میشود۔

از ین گوش میگیرد از آن گوش بدر میکند : به همین شکل و صورت بکار برده میشود۔

از پی دویدن پوزار پاره میشود : (پوزار بمعنی کفش۔ این کلمه امروز به معنی شکل مورد استعمال است۔ معنی مثل اینکه هر که بیشتر دنبال کار میرود و مبالغه کند بضرر او تمام میشود۔

از تو حرکت از خدا برکت : در کشمیری میگوییم "هر کہ حرکت کند برکتش کنند"۔ و در این موقعه شعر سعدی را نیز می آورند :

" رزق هرچند بیگمان برسد شرط عقل است جستن از درها "

از حدیث حدیث شگافند : یعنی سخن از سخن میخیزد۔ در کشمیری بر همیں معنی بکار میبریم۔

از خردان خطا از بزرگان عطا : گاهی از کودکان خطا . . . . . . عیناً بر همیں شکل و صورت بکار میبریم۔ (البتہ ترجمہ اش)

از دل برود ہر کہ از دیده برفت : یا از دل دور از دیده دور۔ بدین شکل بکار میبریم۔ (ترجمہ)

از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است : نہ فقط مصرع را بلکہ شعر سعدی رح را عیناً بکار میبریم۔ و بسیار مستعمل است : " حوران بہشتی را . . . . . الخ "

از گلیم خویش پا بیرون نباید نہاد : در کشمیری میگوییم — "پا را باندازه گلیم بیرون باید کشید۔ (ترجمہ)

از ماست کہ بر ماست : عیناً بکار میبرند۔ اصلش از قطعۂ ناصر خسرو است۔

اصل حقیقت این است : عیناً بر همیں صورت بکار میبریم یعنی حقیقتِ امر این است۔

اگر ده از تو نیست کاه دان از تست : این مثل را تغییر داده اند۔ میگویند . . . وردی از دیگریست، شکم کہ مالِ خود تست۔

اگر گفتن سیم است خاموشی زر است : میگوییم خاموشی سیم است اگر آن را بکار میبری طلا است۔

الحق مُر" : ترجمہ کشمیری بسیار مورد استعمال است۔ باز میگویند " حق گفتن فحش است۔" " حق گفتن تلخ است۔" یعنی این کہ ہیچ کس حاضر نیست سخن راست را گوش کند چون تلخ است۔

اندک اندک میشود بسیار۔ عیناً مورد استعمال است۔

انسان بامید زنده است : همیں طور مورد استعمال است۔ (ترجمہ اش)

انصاف بالای طاعت است و انصاف شیوه ایست که بالای طاعت

میگویند انصاف بالاتر از عمل نیک است۔

انگور از انگور رنگ گیرد۔ کمی عوض شده میگویند سیب از سیب رنگ گیرد۔ (چون در کشمیر سیب فراوان است)

او سواره است و ما پیاده : بمعنی این که او سبک بال است ولی ما زیر بار گران۔

اولاد پیدا میشود پدر و مادر پیدا نمیشوند : گاهی میگویند در دُنیا همه چیز پیدا می شود بجز پدر و مادر۔

اوّل بسم اللہ و غلط : میگویند بسم اللہش غلط شده۔

اوّل خویش بعد درویش : به همین شکل بکار برده میشود۔

ای دختر بتو میگویم ای عروس تو گوش کن : عیناً به همین معنی بکار برده میشود (منتهی ترجمه اش)

ای روشنی طبع تو بر من بلا شدی : عیناً به همین شکل و معنی بکار برده می شود۔

ای زر تو خدا نه وگر نه همه ای : این مثل را گویا از جمال الدین اصفهانی نقل کرده اند که میگوید

ای زر تو خدا نهٔ ولیکن بخدا ستار العیوب و قاضی الحاجاتی

این ره که تو میروی بترکستان است۔ سعدی مالی است۔ "ترسم نرسی به کعبه ای اعرابی" و به همین معنی و شکل مورد استعمال است۔

دکتر شمس الدین احمد[۴]

عقاید خرافاتی کشمیریان

- قاش بزرگ را نباید لیسید، بدعوی میکشد
- شامگاهان جارو نباید زد، گناه است
- هنگام رفتن بسفر، خانه را جارو نباید زد. نامبارک است
- شب پنجشنبه شانه نباید زد، موی نیک بختی در می آید
- اگر روزِ عروسی باران بیاید، میگویند بچه آشپز دیگ را لیسیده است.
- اگر روزِ عروسی باران بیاید، عروس خانم باید آستانهٔ خانه را جارو زند، آفتاب می آید
- هنگام پریدن چشم، باید برگاهی را روی چشم نهاد
- روز شنبه نباید برای کار نیک پیش کسی رفت.
- خاریدن کف پا علامتِ سفر می باشد.
- خاریدن کف دست علامت دریافت پول میباشد
- نشستنِ زغن روی بام نامبارک است
- نشستنِ بوم روی بام نامبارک است
- نشستنِ بلبل روی پنجره، علامتِ ورودِ میهمان می باشد
- بخوابی گربه در خانهٔ کسی نامبارک است
- شامگاهان بانگ خروس نامبارک است
- غوغای سگ در شب نامبارک است
- زنِ باردار نباید روز خسوف ماه و یا آفتاب، بسفر برود یا چیز آهنی را بدست گیرد و یا سبزی را خرد کند. بچهٔ ناقص الاعضا بوجود می آورد.
- هنگام خروج از خانه اگر کسی با زنی مواجه شود میگویند کارهای آن روز بانجام نمی رسد
- در حین انجام رسوم نامزدگی نباید ترشی را خورد و یا آنرا بعنوان هدیه فرستاد. بدعوی میکشد

- اگر کسی عطسه زند، گمان میکند که جای دیگر دربارهٔ وی صحبت میشود۔
- پریدن چشم راست مُبارک و چشم چپ نامُبارک است
- اگر ته کاسه چلو آبی بشود، علامتِ مصیبت می باشد
- ظهورِ ستاره های دُنباله دار را نه فقط نامُبارک بلکه مقدمهٔ جنگ و خون ریزی در رویِ زمین می دانند۔
- اگر برف در موقع باریدن بگردش در آید میگویند زیاد می بارد۔
- اگر در بجبوحه جشن عروسی باران ببارد یا برف بیاید، میگویند عروس یا داماد قاشق آشپزی را لیسیده است۔
- فرشتگان بشوخی نوزاد میگویند پدر و مادرت مُرده اند و نوزاد گریه میکند بعد اورا دلداری کرده میگویند شوخی کرده اند و نوزاد از خوش حالی میخندد و دلیل گریه و خنده نوزاد همی شوخی فرشتگان است
- اسپی که دست آن سفید باشد نامیمون و بدقدم است۔

ترجمه: دکتر پاندیت و رحمان راهی

منظوماتِ امین کامل

تاریخِ تولّد : اوّل مارس ۱۹۲۴ء

پیشه : کارمند در اکادمی فرهنگِ دولتِ کشمیر

آثار : دو تا مجموعهٔ شعر در زبانِ کشمیری که بچاپ رسیده:-

(۱) "باز هم همان پیکر"

(۲) "شبنم و پرتو"

منظومات

مرثیه:

هان ای دوستان!
هم سخنان و همدمان!
آیا کسی یاد دارد؟
هیچ خاطره ای،
گلها چگونه می باشد!
آه از یادم رفته است
خود شباب بجائی ریخته شده است
چقدر بخاطر توان داشت،
در این مغز و در این دل،
بسی گذشت
فصلِ گل را ندیده ام

(امین کامل)

من گم شدم
مرا دریابید
صورت های قافیه ام پاره شد
کلماتم چاک شد و بحرهایم بزمین خورد
هزارها معنی با من قهر شده، در رفتند
به جنگلها و مرزها پراگنده شده
به چاله و چوله ها فرو رفتند

× × ×

من گم شدم
مرا دریابید
اینک حال و احوال من
صبح از خانه بیرون آمدم و با این و آن برخورد کردم
پیش یکی سینه گشودم و از دیگری راز کاویدم
امّا، به اداره در شدم نشستم!
اوّل قلم را از مرکب در آوردم!
"امروز هم حسرت خوردم
با هیچ کس برخورد نکردم"

(امین کامل)



ترجمه، دکتر شمس الدین احمد

نغمه های میوه فروشان کشمیر

یخ فروش

بَه یخ!
بَه بَه یخ!
از کدام جنگل آورده‌ست! ای یخ!
گوش آویزه های طلائی برایت تهیه میکنم، ای یخ!
از بسکه خجولی ای یخ! آب میشوی ای یخ!
به یخ!
به به یخ!
از جنگل وستور[1] آورده‌ست ای یخ!
از کدام جنگل (کر خودت میدانی) آورده‌ست، ای یخ!
از هارون[2] آورده‌ست، ای یخ!

برایت گهوارهٔ زنگوله دار می سازم
ای یخ!
به یخ!
به به یخ!

---

[1] اسم جنگلی است در کشمیر
[2] اسم جائی است در کشمیر که هنوز پا برجاست

گلابی فروش

بیا برادر! گلابی بگیر
چهار آنه[1] میارزد... این گلابی
نیم کیلوی گلابی! بس ارزان است
بیا برادر، گلابی نخور
گلابی! آهای گلابی- به گلابی- به به گلابی
عالی ازش نوش جان میکند
بیا برادر!
گلابی بگیر
آهای گلابی! بگیر گلابی
به گلابی
به به گلابی!

ذرّت فروش

به به!
آهای! چه ذرّت شیرینی است!
این ذرّت نباتی است
این ذرّت شکری است
به ذرّت
به به ذرّت
ای مردمان! دنیا بقا نداره
بیائید، ذرّت بخورید
این ذرّت شیرینی است
چه ذرّتی!
ذرّت دلبری است
به ذرّت
به به ذرّت!

[1] یک آنه - پول خرد برابر با یک ریال ایرانی

دکتر شمس الدین احمد

نمونه بازی بچه‌های کشمیر

دُو تا دختر یکی از دستهایش را در دست دیگری و دست دومیش را روی شانهٔ دیگر میگذارد و دور زنان آهنگ درج ذیل را می سرایند

سنگ آسیا را بدهید!
همانجاست، بگیرید!
کمک کنید!
کسی خانه نیست
عروس خانم کجا رفته؟
رفته خانهٔ پدرش
چه زائیده؟
کوچولوئی زائیده
اِسمش چه گذاشتید؟
حبیب الله

بهش چه پوشاندید؟
پیراهن کرباس
روسرشا چه گذاشتید؟
کله پوش طلائی
برایش چه پختید؟
کلم و کاهو
از باغچه کی؟
از باغچهٔ گلی
مگر گلی کتک نمی زند؟
نه، یک روپیه[1] بده کار است

چند تا بچه حلقه زده می نشینند، پشت، و دستهای شان را بالا می کنند۔ یکی از بچه‌ها از سوی راست پشت دست هر بچه را با انگشت شهادت لمس می کند و کلمات نغمهٔ زیر را تا آخر میخواند۔ روی پشت دست هر کسی که کلمهٔ آخر نغمه بپایان میرسد، وی دست خود را واژگون میکند۔ باز نغمه تکرار می شود تا وقتی که هر دو[2] دست یکی از بچه‌ها واژگون می شود۔ و آن بچه (که هر دو دست وی واژگون شده) از حلقه بیرون میرود و در گوشه ای می نشیند۔ بقیه بچه‌ها یواشکی اسم بادشاه و وزیر و ... را برای خودشان انتخاب می کنند و از بچهٔ دور نشسته

۱ پول رایج در ...

میپرسند کدام یکی از ین اسم ہا را می خواہد۔ وی اسم ہر کہ را می برد، آن بچہ پیش اُو رفتہ وی را سوار کول خود میکند و باز بحلقہ می آورد۔ نغمہ اینست

اُو کیست ؟ من کیم ؟

پس بگو تُو کہ ہستی ؟

قاز آوردم،

توی دیگ ریختم،

سر شو! ای بادنجانِ دُمدار

در ماہِ ہار[1] درختِ مُورُ را آبیاشی کردم

ای خواہر! تُو مرا قشقہ بکش

تا من ہم (روی پیشانی تُو) قشقہ بکشم

---

[1] ہار اسمِ ماہی است از فصلِ تابستان کہ برابر است با تیرماہ ایرانی و ژوئن ماہِ فرنگی

قاضی غلام محمدؒ
ترجمہ: ڈاکٹر کے، این پاندیت۔ ڈاکٹر شمس الدین احمدؒ

خوش مزگیها در زبانِ کشمیری

● شریف زاده ای در ایوان پشت بتکا زده نشسته بود۔ شخصی آمد و باو گفت: مادرم حال ندارد۔ خواهش میکنم اسپ تان را بدهید، همین الان بر میگردانم۔ شریف زاده قسم بخدا و رسولؐ خورد و گفت۔ اسپ اینجا نیست وگرنه چیزی نبود درهمین حال، اسپ از اندرون شیهه ای زد۔ آن شخص گفت۔ ای خواجه اسپ که همین جاست۔ خواجه جواب داد۔ "خیلی عجیب است! سوگند خدا و رسول را معتقد نیستی و شیهه اسپ را باور میکنی۔"

● دزدی در خانهٔ گزاف گوئی زد۔ فردای صبح مرد گزاف گو در همه شهر سر و صدای بلند کرد که دزد در حدودِ بیست هزار روپیه نقد و طلا به قیمت ده هزار روپیه دزدیده است۔ همه بدزد لعنت میفرستادند و با آن گزاف گو دل سوزی میکردند۔ دزد بمجرد اینکه شنید گزاف گو سخن به سی هزار روپیه کشیده است۔ جمعه ای در مسجد اعلام کرد۔ "بخدا و رسولؐ چیزی از خانه اش نه برده ام۔ برعکس ده روپیه در اطاقش گذاشتم تا خرج روز را کفایت کند۔ این مرد دارد مارا بدنام میکند و زنم حاضر نیست باورم بکند۔"

● مامور دولتی از دهکده ای رد میشد۔ جوئباری در پیش آمد۔ مردی دهاتی او را دید و بر کولش سوار شده داشت جوئبار را عبور میکرد۔ چون در وسط جوئبار رسید پرسید۔ "سرکار با کدام سازمان دولتی سر و کار دارند؟" مامور گفت، "من معلمم۔" بمجرد شنیدن این جواب، دهاتی وی را بدون ترس در میان جوئبار انداخت و گفت۔ فکر کردم تو مامور مالیه هستی۔"

● عدهٔ زنها در کنار جوئی نشسته آب تنی میکردند۔ یکی از آنها مردی را دید که

از دُور می آمد۔ فوری بزنهای دیگر را واداد کرد تا لباس ها را بر کُنند۔ " زنها به عجله لباس ها را تن کردند۔ مرد که جلوتر رسید او را شناختند و داد کشیدند۔ ای موش، مرده! معلّم ده است۔" فوری لباس هایشان را در آوردند و با آب تنی مشغول شدند۔

● ملائی در حالیکه صوفی جلویش اُفتاده بطرف خانهٔ مرید خود میرفت۔ آنجا مجلسِ طعام دائر کرده بُودند۔ مرید مُرغی پُخته و حاضر کرده بود ولی ملا همه اش را خورد و صوفی که بعنوان سائیس آمده بُود با حیرت تمام درمی نگریست۔ ملا باو گفت چرا ایک زول نگاه میکنی۔ مگر آیا صحیح نیست که من خوردم انگار شما خوردید۔ صوفی گفت۔ اگر بنظر شما همین است ایرادی ندادم۔ صبح چون از آن خانه بیرون آمدند صوفی طبق معمول افسار اسپ را در دست گرفته جلویش میرفت۔ میان راه مُرداب بُود۔ صوفی اسپ را داشت از همان جا رد بکند۔ در نتیجه اسپ در حالیکه ملّا سوارش بود در مرداب فرو رفتن گرفت۔ ملّا داد میکشید۔ صوفی گفت چرا تردّد میکنی۔ آیا صحیح نیست که من خانه رسیدم انگار شما هم خانه رسیدی۔

● سه نفر تریاکی بودند۔ قرار گذاشتند که کلهٔ گوسفندی را بپزند۔ یکی آتش را روشن کرد، دیگری کله را پاک و تمیز کرده توی دیگ انداخت و نفر سومی ادویه لازم را آورده توی دیگ ریخت۔ بعد با کمال اطمینان و آرامش هر سه در گوشه ای نشستند تا کله آماده بشود۔ در این هنگام تریاک هم زدند و هر سه شان سر حال آمدند۔ یکی بانگ زد "بچّه ها! زرد چوبه را فراموش کردید، یا شوید و زرد چوبه را از بازار بیاورید۔" ولی هیچ کسی حاضر نشد۔ بالاخره قرار شد که هر سه نفر ساکت بنشینند و هر کسی که بنای حرف زدن را گذاشت حرف زدن همان و زرد چوبه از بازار آوردنش همان۔ همه شان مثل لال ها ساکت نشستند۔ در این هنگام سگی از بیرون بو بُرد و یواشکی به اطاق در آمد چون دید که تریاکی ها گو یا

سنگ شدند، یواشکی نزد دیگ رفت و پوزه را بدیگ کرده کله را بیرون آورد و رقص کنان بدون هیچ مزاحمت بیرون رفت۔ یکی از تریاکی ها فریاد زد، "آهای، پدرسوخته ها، مگر کورید، نمی بینید که سگ دارد کله را برده ما را بیچاره میکند۔" آن دو تریاکی ها داد زدند! "ای احمق، حالا که حرف زدی، پاشو و زردچوبه بیار۔"

پارسی سرایان معاصر کشمیر

سید شمس الدین اندرابی غمگین

در سال ۱۳۲۳ھ در دهکده رتنی پوره، (پلوامه) چشم بجهان کشودند

ایشان علاوه بر کشمیری در فارسی نیز شعر میسرایند و نمونه ای از اشعار وی که در صنعت گلدسته (فوّاره) میباشد، در اینجا نقل می کنیم۔ ایشان نیز در جواب رباعیات استاد علی اصغر حکمت که دوران مأموریت سفارتی در هند، بمناسبت زیبائی طبیعت در کشمیر نوشته بودند، چهار رباعی سروده و آنها نیز در اینجا نقل می شود۔

دکتر علی اصغر حکمت (ایران)		سید شمس الدین اندرابی غمگین (کشمیر)
در تال کشمیر نگر گلهٔ بط آندم که شنا کنند از بحر بشط از سیم کشیده اند گوئی بغلط بر صفحهٔ لاجورد صد نقطه و خط	(۱)	آمد بشنا ز تال کشمیر سوی شط سرمست طرب زآب یک گلهٔ بط گوئی که ز کهکشان و انجم پیداست بر صفحهٔ لاجورد خطها و نقط
کشمیر صدش چنار در هامون است کش فرو شکوه خود ز کوه افزون است آن برگ ببین و شاخ گسترده فراغ چون کف کرم ز آستین بیرون است	(۲)	کشمیر که عالمی برو مفتون است هم رونقش از چنار بس افزون است بر رهگذران بود چو مرحمه برگش چون دست مروّت از قبا بیرون است

(کشتی در تال)

اے زہرہ جبیں تیر مژہ ماہ مثال　　ماہے کہ بعالم است مثلش زِ محال
من مشتریت جان و خورشید جمال　　جستم۔ بنظر شد او بکشمیر فی الحال
آن کشتی زرد بین تو بر عرصۂ تال　　بر جبیں و مہ نو است و ہم چرخ کبود
تال است چو آسمان و کشتی چو ہلال　　آن دلبر من میان کشتی در تال

(باغ نشاط)

افراشت چو ابر خیمہ در باغ نشاط　　افراشت سحاب دوش در باغ نشاط
گسترد چو گل بسبزہ صد گونہ بساط　　نظارگیان شوق را سقف رباط
بلبل بفغان گفت کہ اے گمرہ زار　　حکمت بنمود شاد غمگین دلِ من
مے نوش و غنیمت شمر این است صراط　　اے دوست بیا بیا آب حیوان بسماط

محمد مبارک گیلانی فطرت

محمد مبارک گیلانی یکی از شاعرانِ پارسی سرائی معاصر در کشمیر است۔ در پاسخ تقاضای اداره برای ارسال نمونہ ای از اشعار خود می نویسند :-

"انموذجی از تصنیفات فطرت می گذرانم۔ آہ۔ شاعرِ فطرت از ازل خود دار واقع شدہ است۔ نمی خواہد کہ خود بذات اظہار اشعارِ آب دار نماید۔ طالبی بایست کہ از ذوق طلب سرشار بودی و در حینِ حیات شاعر متاعی از مضامینِ عالیہ گرد کردی تا از زحمت (در جدائی شاعر) از استفساراتِ بیوقت مصئون شدی۔ بہ بینید کہ این وقت قبر غنی ہم بہم نمی شود کہ در ایام وجود او مردم با جان او بی اعتنائی روا داشتند و نتیجہ ہمان است، کہ می بینید۔ لہذا ارباب ذوق ادبِ فارسی را لازم آمد کہ کلامِ او شاعر بزبان، و کلک شاعر اصغا کنند ... ..."

کار من افتاد با کافر اداتر کانہ ای　　با سرِ مستانگی دارم دلِ مستانہ ای
ہان سرت گردم جنون دامن کشان آئی بیا　　نیست اندر خلوت من عاقلی فرزانہ ای
ہر کجا بینم جمالِ دوست می بینم عیان　　رشتۂ دل بستہ ام با گوہر یک دانہ ای
قیمت یک بوسہ میخواہد ز من جانانِ من　　صد بہای جان بہ بخشم نذر یک پیمانہ ای

صدرِ من هر جا نشیند صدر باشد جای او　　جای دُر در صدر گوش آمد بهر بتخانه‌ای

گر بپای خم در آییم ور به مستی پا زنم　　عاقلان معذور باید داشتن دیوانه‌ای

چیست میخواهیم فطرت در جهانِ بیخودی

ساقی، مه طلعتی، جانانه‌ای، میخانه‌ای

ما توان مسکن گرفتن با بلبلان کوی یار

اندر خاک راه یار خود چون گوی یار

خود را بکن قدا هم جان و دل بر خوی یار

سوز الفت اندر دل فراق روی یار

بجز از دل بسنگ گردد ز گفت و گوی یار

قدِ یارم دستۂ گل عقل و ہوش و دل رُباست
الف و شمشاد و سیر فوارۂ و چتر دلواست

(غمگین)

مولانا حیرت کاملی

مولانا شمس الدین حیرت کاملی درسال ۱۳۰۵ ہجری چشم بجہان گشودہ و درسال ۱۳۸۸ ہجری درگذشت۔ ایشان یکی از پارسی سرایان چیرہ دست دور معاصر بودند۔ اینک یک غزل فارسی ایشان را بعنوان نمونہ درج میکنیم:

دعوتِ نظّارہ

باغ شالمار، موسم بہار ای انیس یار دیدنی بود
سیر لالہ زار، آبِ جوئبار، سایۂ چنار دیدنی بود

طرفِ کوہسار، نالہ آفرین، رونقِ چمن، تابشِ زمین
گریہ در کمین، جبہہ زیر چین، خندہ طرفہ دیدنی بود

صفحہ از چمن، حرفِ جعفری، سطر نسترن، خاکہ مرمری
نقد بنفشی، نقطہ عبہری، دست کردگار دیدنی بود

سرو نارون، نخلِ باربر، بوتہ سمن، لرزشِ ثمر
آن زسیب پر، این زگلشکر رونقِ دیار دیدنی بود

حیرت و جنون در نشیب تل بر سر محل خواندہ این غزل
خاطر حزین کردہ در بغل ضبط و اضطرار دیدنی بود

پیر عبدالقادر آثم مرحوم

غزل

امشب زجانان آمد پیامے — آمد جواب عرض سلامے
جانان چہ جانان جانِ جہانے — شاہے بصورت ماہِ تمامے
نورِ جبینش طورِ تجلّے — رخسار و کاکل صبح و شامے
جادو نگاہے مژگان سیاہے — بالا بلندے رعنا خرامے
سرو قدش را طوبے اسیرے — لعل لبش را کوثر غلامے
خالش فسون گر غارتِ گر دل — زلفش معنبر جان را ست دامے

در انتظارش شمشاد زیبا — بهر سلامے دارد قیامے
خطش چه خطے تفسیر مصحف — دارند باهم خوش التزامے
هر جا رسیدیم زیبا سان ندیدیم — رنگین ادائے شیرین کلامے
جمعیت دل سازد پریشان — زلفش کہ دارد نظم و نظامے
یارب رساند باد صبایش — از من دعائے آہے سلامے

آتش فراقش بگداخت مارا
از هستی ما باقی است نامے

نعت‌های فارسی که در کشمیر رواج دارد

نعت های شاعرانِ ایران

(الف)

مولانا عبدالرحمن جامی

(۱)

ای واضح وَالضُّحٰی جبینت — وَاللَّیْل نقاب عنبرینت
طٰهٰ ورقی ز داستانت — یاسین علمی بر آستینت
جنّت اثری ز فیض مهرت — دوزخ شرری ز تف کینت
اسرارِ وجود را کماهی — دیده نظر خدای بینت
پیشِ تو سپهر چون زمین پست — عالم همه روی بر زمینت
تو صاحب کانِ کنتُ کنزاً — اعیانِ رُسُل قراضه چینت
چون تو خدای آفرین گفت — جامی چه سزای آفرینت

(۲)

یا شفیع المذنبین بارِ گناه آورده ام — بر درت این بار با پُشتِ دوتاه آورده ام
من نمی گویم که بُودم سالها در راهِ تو — هستم آن گمراه که اکنون رو براه آورده ام

---

۱ هر یک ازین سوره های قرآن وَالضُّحیٰ، وَاللَّیْل، طٰهٰ، یٰسین در توصیفِ حلیهٔ رسولؐ کنایهٔ مخصوص دارد ۲ این شعر در بعضی از جاهای کشمیر رواج ندارد۔

۳ این نعت در بعض اطرافِ کشمیر با تحریف، کم و بیش بطورِ مناجات هم موردِ استعمال است خصوصاً در مجالسِ توبه، ختمات و دُرود نجات۔ و دران صورت آغاز تخاطب به یا الله العالمین دارد۔ ۴ در جملهٔ دیوان های جامی چاپ ایران "آن نمی گویم" آمده است۔

عجز[1] و مسکینی و بے خویشی و دلریشی بہم — این ہمہ بر دعویٔ عشقت گواه آورده ام
چار[2] چیز آورده ام شاها که در گنجِ تو نیست — نیستی و حاجت و عُذر و گناه آورده ام
چشمِ[3] رحمت بر گشا موی سفید من ببین
گرچه از شرمندگی رُوی سیاه آورده ام

(۳)

عارض است این یا قمر یا لالۂ حمراست این — یا شعاعِ شمس یا آئینۂ دلهاست این
یارب این طاق است یا محراب یا قوسِ قزح — یا هلالِ عید یا ابروی یارِ ماست این
چشمِ تو[4] آهوست یا جادوست یا صیادِ خلق — یا دو بادامِ سیه یا نرگسِ شهلاست این
حقۂ لعل است یا سر چشمۂ آبِ حیات — یا دهان یا میم[5] یا طوطیٔ شکرخاست این
یارب این خورشیدِ تابان است یا ماهِ تمام — یا فرشته یا ملک یا شوخِ بے پرواست این
قامت است این یا الف یا سرو یا نخلِ مُراد — یا مگر گلدستۂ باغِ جنان آراست این
زُلفِ تو پیچان چو زنجیر است یا قلّابِ دل — سنبلِ تازه بُود یا عنبر ساراست این

---

[1] این مصرعہ در دیوانِ کامل جامی مرتّبہ ہاشم رضیٰ این صورت دارد ع
عجز و بے خویشی و درویشی و دل ریشی و درد [2] این شعر در دیوانِ کامل جامی وجود ندارد۔ [3] علاوه بر این اشعار این نعت در دیوانِ کامل جامی چاپ تهران اشعارِ ذیل هم دارد:

دیو رہزن در کمین، نفس و ہوا اعدای دین — زین ہمہ با سایۂ لُطفت پناه آورده ام
گرچه رُوی معذرت تگذاشت گُستاخی مرا — کرده گستاخی زبانِ عُذر خواه آورده ام
بسته ام بر یکدگر نخلی زِ خارستانِ طبع — سوی فردوس برین مُشتی گیاه آورده ام
دولتم این بس که بعد از محنت و رنجِ دراز — بر حریم آستانت می نهم رُوی نیاز

[4] در دیوانِ کامل جامی (ہاشم رضیٰ) چشمِ نر آہو آمده۔

[5] در دیوانِ کامل جامی "با میم" است۔

طوطیٔ شیریں سخن یا قمریٔ باغِ جنان[۱]
بلبلِ بے خانمان یا جامیٔ شیدا است این

(۴)

گے بُوَد یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم[۲] گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
بر کنار زمزم از دل بر کشم یک زمزمہ وز دو چشم خوں فشان آن چشمہ را دریا کنم
یا رسول اللہؐ بہ سوی خود مرا راہی نمای تا ز فرقِ سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم
آرزوی جنت المادیٰ بروں کردم ز دل جنتم این بس کہ بر خاکِ درت ماویٰ کنم[۳]

(۵)

تو جانِ پاکی سر بسر نی آب و خاک اے نازنین[۴]
واللہ ز جان ہم پاک تر روحی فداک ای نازنین
پاکان ندیدہ روی تو دادند جان بر بوی تو
اینک بگرد کوی تو صد جانِ پاک ای نازنین
رفتی بہ گلگشتِ چمن گل دید لطف آن بدن
کز شوق آن پیرہن خویشتن زد جامہ چاک ای نازنین
دارم ز غم بیماریٔ، بیمارِ غم را یاریٔ
گر تو کنی غم خواریٔ، از غم چہ باک ای نازنین

---

[۱] در بعضی جاہا "باغِ بہشت" ہم رواج دارد۔ امّا در دیوانِ کامل جامی "باغِ جنان" آمدہ است۔

[۲] این نعت بخصوص در علاقہ گرد آورندہ ٹوڈہ و اننت ناگ رواج تام دارد امّا بیش ازیں چار شعر سرائیدہ نشود۔

[۳] در دیوانِ کامل جامی (ہاشم رضی) اشعارِ ذیل شامل این نعت اند:۔
صد ہزاراں دی دریں سودا مرا امروز گذشت نیست صبرم بعد ازیں کامروز را فردا کنم
خواہم از سودای پابوست نہم سر در جہاں یا بہ پایت سر نہم یا سر دریں سودا کنم
مردم از شوقِ تو معذورم اگر ہر لحظۂ جامی آب نامۂ شوق دگر انشا کنم

[۴] دیوانِ کاملِ جامی چاپِ تہران این نعت ندارد۔

گر شد چو لاله پیکرم غرقِ[1] بخون کی غم خورم
این بسکه بر دل می برم داغت بخاک ای نازنین
جامی که دارد با تو خو هرگز نتابد از تو رو
گر خود نهی بر فرقِ او تیغِ هلاک ای نازنین

(۶)

ای دل و دیده هر دو خانهٔ تو　　سر من خاک آستانهٔ تو
کاش بر من رسد نه بر توسن　　دم بدم زخم تازیانهٔ تو
همه تن گوش ما شوم از شوق　　هر کجا بشنوم فسانهٔ تو
هر کسی خوش به گوشهٔ طرفی　　من ز غم های بیکرانهٔ تو
هر طرف ناوک از چه می فگنی　　دلِ من بس بود نشانهٔ تو
بهر ناکشتنم بهانه مجوی　　که مرا می کشد بهانهٔ تو
جامیا بوی درد می آید
از غزل های عاشقانهٔ تو

(باقی آینده)

---

۱ در بعضی جاها غرقاب خون هم خوانند۔
۲ در دیوانِ کاملِ میرود فسانهٔ تو آمده۔

ترجمہ: ڈاکٹر شمس الدین احمد

منظومات مرغوب

ڈاکٹر پاندیت

مادر

در طبع بطلیت عاطفۂ ای زیبا روی فزونی گرفت
در جنگل دور دست شبنم لکۂ نور آفتاب را در آغوش کشید
سرود ہای حوریان بگوش جوانی طنین انداخت
آبشار بلند اہربل ہدف بزرگ شوریدن گرفت
در سایہ ہای رویا قوس قزح ہفت رنگ
از شاخہ رسنبل دل جوانۂ تازہ نمودار گردید
حرکت امید ہا سوی دامان شوق
گلپاشی بادام زار دل
عقل از گلہای محبت طرۂ خود را تزئین داد
افقہا امروز از ہلال عید انتظار میکشد

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

خضر در سفر ظلمات بہ کجا رسید
آب حیات برای استقبال روم ریشی[۱] بہ پیشواز رفتہ
آفرین بر سینۂ گرم صدف
دانۂ درّ جانانۂ ابر بہمن
دل مادر چہرہ پاکیزہ رود گنگ
مہر پاکیزہ مادر حوض کوثر
امروز بعد از تاسف بسیار این دل حسرت زدہ بہ کنہہ رسیدہ
غیرت مرا وادار میکند تا داخل جنت نشوی
اگر آنجا با حوض کوثر برخورد نکنی

---

[۱] اسم بزرگی است کہ زندگی جاویدان دارد گویا ہمان خواجہ خضر است۔

آنوقت

چون آفتاب بهار نو،‌ امید رخشد
چون گلهای نیم شگفته، طرحهای نو، می شگفد
چون کوههای قافِ مرزها، فرو میریزد
چون پروانه‌ها طواف دور آفتاب را، می آموزد
چون نورِ آفتاب بشبنم کرامتی نو، مینماید
چون این سنبل زار گیتی از گرد کدورت، پاک میشود
چون این گلهای لطیف، ما، غفلت خود را، می آموزند
چون باغبانانِ غافل از رعونت خودشان، فارغ میشوند!

ای کاش! اگر آنوقت من هم زنده میبودم
دردی را که در سر انگشت های خار دیده دارم
درمان میکردم



اسم : غلام محمد
تخلّص : مرغوب
تاریخِ تولّد : ۱۹۳۷ میلادی
پیشه : دانشیار، بخش فارسی دانشگاهِ کشمیر

دکتر شمس الدین احمد
دکتر کے، این پاندیت

سن کِسر

یکی بود و یکی نبود غیر از خدا ہیچ کسی نبود۔

در خانہ دہقانی پسری بود و دختری۔ اسم آن دختر سن کِسر گذاشتند۔ روزی برادرش از مدرسہ برگشت و میخواست ناہار بخورد۔ قضاراً موئی از میان چلو در آمد۔ آن را در دست گرفت و میگفت ۔ "آنکہ این موی از آنست ، زن من است۔ انکہ این موی از آنست زن من است۔" وہی تکرار میکرد۔ مادرش گفت: "جان من! ممکن است کہ از آنِ من باشد۔" پسر باز ہم ہمان حسر فہارا زد۔ خواہرش گفت: ممکن است کہ از آنِ من باشد، ولے باز برادرش ہمان حسر فہارا زد۔ سن کِسر بر آشفت و از خانہ در رفت و از دہکدہ دور میشر و روز بغروب رسید۔ ترسید و گریہ آغاز کرد کہ چہ کنم و کجا روم اتفاقاً درویشی را بر آن طرف گذر افتاد و برو گفت: "دختر جان! چرا گریہ میکنی؟" گفت: من از خانہ در فرار کردم چون برادرم بمن فحش دادہ۔ حالا میترسم کجا روم و چہ کنم۔"

درویش را دلش برای او سوخت۔ از جیبش ہفت تا دانہ بر آورد و بہ سن کِسر گفت: دختر جان! بگیر این ہفت تا دانہ را۔ اینہا را بکار۔ از این ہفت تا درخت می روید۔ تو بر و بالای یکی از این درخت ہا و ہمانجا باش۔ انجا ہیچ خطر بتو نمیرسد۔"

سن کِسر آن ہفت دانہ را گرفت و بکارید۔ در یک چشم زدن از آنہا ہفت درخت روئید و قد آور شد۔ دختر بالای یکی از آنہا رفت و روی سر آن نبشست۔ در ہمان آوان پدر و برادر او در پی او آمدند۔ چون سن کِسر

را روی درختی دیدند اوّل ازش خیلی سماجت کردند تا بیاید پائین و برگردد بخانه، ولے دختر قبول نکرد- بالاخره پدرش عصبانی شد و تبری آورد و شروع کرد تا آن درخت را از بیخ بکند- چون نزدیک بود که بر افتد، سن کِسر با عجلت روی درخت دیگر پرید- ولی پدرش باز شروع ببریدن آن درخت کرد- دختر از آن پریده روی درخت سوم نشست- پدرش آن را نیز قطع کردن آغاز کرد- نزدیک بود که درخت روی زمین بیفتد که سن کِسر روی درخت چهارم پرید و همینطور تا رسید بدرخت هفتم- چون نزدیک بُود که پدرش درخت هفتمین را نیز از پا در آرد، سن کِسر دژم شد و رو بسوی ماه کرد و باواز بلند گفت "مادر بزرگ ماه! نردبانت را بینداز پائین تا بیایم بالا پهلوی تُو-"

مادر بُزرگ ماه نردبانش را پائین بینداخت و از روی اشعه سن کِسر بالای بالا رفت تا رسید پهلوی ماه- پدر و برادرش غمگین شُدند- خیلی وقت انتظار کشیدند بالآخره ناچار و نا اُمید بخانه خود برگشتند-

سن کِسر در آسمان پهلوی ماه زندگی میکرد- روزی ماه باو گفت: "سن کِسر جان! موهایم را شانه کُن، اما مواظب باش، شانه بر فرق نخورد- اگر این طور شد موریم در می آید و من عصبانی خواهم شُد" سن کِسر قبول کرد و شروع بشانه زدن کرد- امّا مغلطه خورد و شانه اش بجائی خورد که ماه منع کرده بُود- موهای ماه درآمد و وی عصبانی شُد- او سن کِسر را از آسمان بدر راند و بسوی زمین پرتاب کرد- غلطان غلطان سن کِسر توی لانهٔ زاغی اُفتاد- آن زاغ فرزندی نداشت- شب چون بر لانهٔ خود رسید آنجا دختری را دید- پرسید: "تو کیستی و اینجا آمدی چکار؟"

سن کِسر بغضش گرفت و سر گذشت خُود را با وحالی کرد- زاغ پیر دلش برای سن کِسر خیلی سوخت و گُفت: "تو اینجا بمان- من فرزندی ندارم- حالا من ترا بعنوانِ دختر می پذیرم و تُو مرا بعنوانِ بابا بپذیر-"

از آن روز ببعد سن کِسر با راحتِ تمام در لانهٔ زاغ زندگی میکرد و بابا زاغ برای دلجوئی او از هر رنگ و رقم چیز می آورد- اتفاقاً مادرِ سن کِسر که همواره

در بازیابی دخترش زحمت ها میکشید، روزی نزدیک لانهٔ زاغ رسید. چون دخترش را دید چشمهایش پر آب شد. از سن کسر بسیار سماجت کرد تا بگردد بخانه، اما بحصولِ مقصد نمیرسد. مادرش داد زد. "بیا بیا سن کسری جان، لعبتگانت به پدر رفته است. جواب داد. "مادر جان! من پائین نمی آیم." مادرش گفت "بیا بیا دختر جان! لعبتگانت به پدر رفته است. جواب داد. "مادر جان! من هرگز پائین نمی آیم."

بالآخره شب شد و مادر سن کسر خسته و کوفته بخانه اش برگشت. چون بابا زاغ به لانه اش برگشت دید که سن کسر گریه میکند. پرسید. "دخترم! چرا گریه میکنی؟" سن کسر گفت: "بابا زاغ! من لعبتگان را میخواهم." بابا زاغ گفت: جانم فدای تو باد دخترم! فردا می آرم." و فردا بابا زاغ برای سن کسر لعبتگانرا تهیه میکند.

روز دیگر پدر سن کسر آنجا می آید. او هم از وی خواهش کرد که بیاید پائین تا برگردند بخانه. ولے سن کسر به هیچ وجه قبول نمیکند. پدرش باو میگوید ــ "سن کسر عزیزم! بیا پائین، چرخِ رنگین ریسندگی تو بهدر رفته است." سن کسر جواب میدهد. "پدرم! من هرگز پائین نمی آیم." پدرش باز میگوید. "سن کسر عزیزم! بیا پائین. چرخِ رنگین ریسندگی تو بهدر رفته است." آخر شب میشود و پدر سن کسر خسته و کوفته بخانه برگشت. چون بابا زاغ رسید توی لانه دید که سن کسر دارد گریه میکند. بابا زاغ ازش می پرسد. "دخترم! داری چرا گریه میکنی؟" سن کسر میگوید. "بابا زاغ! من چرخِ رنگین ریسندگی را میخواهم." بابا زاغ گفت: "بابا زاغ فدای تو باد! فردا چرخِ رنگین ریسندگی را برایت خواهم آورد." و فردا بابا زاغ چرخ را میآرد.

روز دیگر برادر سن کسر میآید و او هم ازش خیلی التماس میکند تا بیاید پائین و برگردد بخانه. ولی سن کسر بهیچ وجه قبول نمیکند. بالآخره باو میگوید. "بیا پائین سن کسر جان! دیورِ طلائی تان بهدر رفته." سن کسر جواب داد:

"برادرم! من هیچ وقت پائین نمی آیم۔" برادرش باز میگوید۔ "بیا پائین سن کِسر جان! لباس های عروسی تان بهدر رفته است۔" سن کِسر گفت "برادرم! من هیچ وقت پائین نمی آیم۔" بالآخره شب شُد و برادرش غسته و کوفته بخانه اش برگشت۔

چون بابا زاغ آمد بلانه دید که سن کِسر گریه میکند۔ بابا زاغ میپرسد۔ "دختر جان! چرا گریه میکنی؟" سن کِسر جواب داد: "من زیورِ طلائی و لباس های عروسی را میخواهم۔" بابا زاغ گفت: بابا زاغ فِدای تو باد! زیورِ طلائی و لباس های عروسی را فردا برایت می آرم۔" و فردای آنروز بابا زاغ برای سن کِسر زیورِ طلائی و لباس عروسی را تهیه میکند۔

روز ها میگذشت و سن کِسر در لانۂ زاغ لباسِ عروسی و زیور طلائی را پوشیده چرخ ریسی میکرد۔ روزی پادشاه آن کشور بهمراهی وزیر اَش برای شکار بیرون آمد و اتفاقاً از همین جا گُذرش اُفتاد۔ و صدائے چک چک چرخ در گوش وی طنین انداخت۔ همراهان پادشاه چون نگاه کردند و دیدند که زنی مثل حور و پری مشغول چرخ ریسی است۔

پادشاه عاشق این زن می شود و باو میگوید: تُرا سوگند بآن خدائی که تُرا و مرا خلق نموده، باید راست بگوئی، تُو پری هستی یا انسان؟"

سن کِسر جواب می دهد۔ "سوگند بآن خُدائی که مرا آفرید، من انسانم و اسم من سن کِسر است۔" پادشاه گُفت: "پس جای تو میان لانۂ زاغ نیست۔ تو بیا پائین تا من در قصر خودم جای ترا میسازم۔" سن کِسر جواب داد: "تا وقتیکه بابا زاغ بر نمی گردد و مرا اجازه نمی دهد، من اینجا را ترک نخواهم گفت۔" پادشاه می گوید: "بابا زاغ تو کی می آید؟"

سن کِسر جواب می دهد: "شب۔"

پادشاه میگوید: "من انتظار میکشم۔"

ولی همان وقت وزیر بپادشاه میگوید: "پادشاهم! ما نباید تا شب منتظر

باشیم چون بقصر خیلی دیر میرسیم و راه هم فوق العاده خطرناک است۔"
پادشاه باد میگوید: "وزیر من! پس چه بکنم؟ من بیداشتن سن کسر نمی توانم بقصر برگردم۔" وزیر جواب میدهد: "پادشاهم! ما سن کسر را با خود همراه خواهیم برد۔ اگر خودش از درخت پائین نمی آید، ما درخت را قطع میکنیم و سن کسر بخودی خود پای قدوم مبارک میرسد۔" پادشاه گفت: هرچه میخواهی بکن۔ بدون او نمی توانم آرام بگیرم۔"
وزیر به سن کسر گفت تا بیاید پائین۔ جواب داد که بدون اجازه بابا زاغ هرگز پائین نمی آیم۔ بالآخر بامر وزیر تبرزنها می آیند و شروع میکنند به بریدن درخت۔ سن کسر با نها زشت میگوید۔ "هر که درخت پوسیده بابا زاغ را ببرد، خدا تبر بگلوش ببیند ازد هر که درخت پوسیده بابا زاغ را ببرد، خدا تبر بگلوش بیند ازد" اما تبرداران بحرف او گوش نمی دهند و درخت را می برند و سن کسر با درخت پائین فرود می آید۔ پادشاه او را میگیرد و بکاخ خود می آورد۔
پادشاه سابقاً شش تا زن گرفته است و انیک سن کسر زن هفتم اوست۔ روزی اعلام میدارد که بین هفت تا زن وی آنکس شهبانو خواهد شد که دارای صفات عالی باشد، هر هفت را فرا میخواند و میگوید: "من بشما مقداری شالی خواهم داد۔ هر که زودتر از دیگران پوست را از شالی در آورد، شهبانوی من خواهد شد۔"

زنان پادشاه شالی را برده بسوی کاخ خود میروند۔ سن کسر نیز شالی را برده بکاخ خود میرود۔ وی بر روزن می نشیند و گریه آغاز می کند که چکنم چون نمیدانم چطور باید پوست از شالی در آورد۔ در انتظار است که بابا زاغ ناگهان از طرفی سبز شود تا مشکل خویش بر او گوید۔ اتفاقاً بابا زاغ جیغ زنان میرسد و سن کسر را بغل میکند۔ سن کسر در حال گریه ماجرا را باو باز میگوید۔ "بابا زاغ! پادشاه میخواهد برای خودش انتخاب یک شهبانو نماید۔ گفته است هر که پیش از همه برنج را آورد، شهبانوی من خواهد شد۔

بابا زاغ گفت: "سرت گردم! این کاری نیست که تو باید ناراحت شوی."
همان ساعت رفت و تمام پرستو ها را حکم داد تا در کاخ سن کسر جمع آیند. در یک چشم زدن پوست شالی را بکنند. پوست را یک طرف ریختند و برنج را بطرف دیگر. سن کسر خیلی خوش حال شد. برنجها را برداشت و پیش پادشاه رفت. در راه با زنهای دیگر پادشاه برخورد کرد و از وی پرسیدند. "سن کسر! تو چطور توانستی بدین زودی پوست شالی را بکنی." آنها هنوز در اول کار بودند.

سن کسر گفت: "من تمام شالی ها را توی رود خانه ریختم همراه هاونها و هاون کوب فوری از آب برنج صاف شده بیرون آمد." همه زنهای پادشاه رفتند و شالی را توی رود خانه ریختند با هاون و هاون کوبهای خودشان.

سن کسر برنج ها را به پادشاه عرضه کرد ولی زنهای دیگر از هاون و دسته نشان نداشتند. تا چه رسد بر شالی و پوست.

پادشاه از چیره دستی سن کسر شاد گشت و با دیگر شش زنان قهر کرد.
روز دیگر امر فرمود تا همه زنان وی کاخ های خودشان را گل شوئی کنند و خانه هر که تمیز باشد وی را شاهبانوی خود برگزیند.

همه بکاخ های خودشان مراجعت کردند و بگل شوئی آغاز کردند. اما سن کسر مات و منگ نشست چون هیچ وقت گل شوئی نکرده بود.
درین دوران بابا زاغ از طرفی نمودار شد و سن کسر با و گفت: بابام زاغ امروز پادشاه دستور داد تا کاخ ها را گل شوئی کنیم و کاخ هر که تمیز تر و لطیف تر باشد وی را العنوان شاهبانو قبول خواهد کرد." بابا زاغ گفت: "قربان سرت! چیزی نیست. چرا گریه میکنی؟"

زاغ همه جا گشت و تمام پرستو ها و گنجشکها را حکم داد تا بیایند و خانه سن کسر را تمیز کنند. هر یکی از آنها رنگ های مختلف و عرق گلاب را

گیر آورده حاضر شدند و در یک چشم زدن کاخ سن کسر را هر چه تمیز و قشنگ ممکن بود ساختند۔ سن کسر با مشاهده این تر و تازگی بسیار خوش حال شد و برفت تا از پادشاه دعوت کند بیاید و ملاحظه نماید۔ در [illegible] راه، با زنان دیگر شاه برخورد کرد و ایشان سوال کردند چطور شد که بر آن زودی میتوانست کاخ خود را تر و تمیز کرده بصورت عالی در آورد۔ وی پاسخ داد "آی! من گل و خاکستر و آشغال را آوردم و با آن اطاق هایم را گل شوئی کردم۔ همین است که تر و زودی تمام شد۔"

هر شش تا زن رفتند و گل و خاکستر و آشغال را آورده کاخ های خود را داشتند تمیز میکردند۔ چون پادشاه توی این کاخ ها وارد شد از عفونت و گند دماغش گرفت اما در مقابل آن خانه سن کسر بسیار تمیز و رنگ زده بود و از مشک و گلاب دماغش معطر شد۔ از سن کسر بسیار راضی شد و با زنهای دیگر قهر شد۔ روز دیگر جلوی آنها اعلام داشت "هر ملکه باید در خانه خود ضیافتی بپزد و هر که ضیافتش لذیذ ترین باشد شاهبانوی اوّل خواهد بود۔"

همه ها به کاخ خود رفتند تا ضیافت ها را حاضر کنند۔ سن کسر جلوی پنجره نشست و داشت گریه میکرد چون تا آن روز هیچ وقت غذائی نه پخته بود۔ در همین حال بابا زاغ از طرفی سبز شد۔ سن کسر باو گفت— "بابا زاغ! امروز پادشاه امر فرموده است برایش ضیافتی بس لذیذ بپزیم و هر که ضیافتش لذیذ تر از دیگران باشد، شاهبانوی اوّل خواهد شد۔"

بابا زاغ گفت! قربان سرت گردم! باز هم چه جای گریه است؟

همان ساعت رفت و به پرستوها و گنجشکها را دستور داد۔ آنها یک یک در کاخ سن کسر آمدند و اسباب غذائی از قسم روغن و زعفران و ادویه و گوشت را با خود آوردند و در یک چشم زدن یک ضیافتی بس لذیذ و پلو بسیار گوارا پخته بر سن کسر تقدیم داشتند۔ سن کسر بسیار خوشحال شد و رفت تا پادشاه را دعوت کند بیاید۔ در راه با زنهای دیگر شاه برخورد کرد آنها ازش پرسیدند۔ "سن کسر! چطور شد که بدین زودی غذا را پخته حاضر

کردی —؟"

سن کسر جواب داد — "آی! من خار و خسک آوردم! بجای آب جوش، آب بس گنده تو لیش ریختم و بجای ادویه، نجاست۔ همین است که بزودی هزار حاضر کردم۔

آن شش زن پادشاه رفتند و خار و خسک آوردند و همان کارا کردند که سن کسر گفته بود چون پادشاه برای ملاحظه آمد از هر شش کاخ تف زنان بیرون آمد ولی در کاخ سن کسر ضیافتی بسیار لذیذ را صرف نمود۔ بدین موجب با سن کسر بسیار رضایت نمود ولی از زنهای دیگرش هیچ خوشش نیامد۔ همان ساعت آن شش تا زن را متارکه گفت و سن کسر را شاهبانوی خود اعلام کرد۔

آن دو همسر تا مدتِ دراز حکومت کردند
